در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی، یکہ توت، پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ
بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

جسٹرڈ نمبر

الحسن پشاور

مدیر اعلیٰ
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

منتظم اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

جلد نمبر ۱۱

شمارہ نمبر ۱۲۳-۱۲۴

شعبان۔ رمضان ۱۴۱۸ھ

۱ تا ۱۵، ۱۶ تا ۳۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

مدیر اعلیٰ فقیر محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے
طبع کرکے یکہ توت پشاور سے شائع کیا

ضروری اعلان برائے قارئین کرام

وہ تمام حضرات جنہوں نے سالِ گذشتہ میں اپنا سالانہ چندہ برائے سال ۱۹۹۷ء جمع کروایا تھا، امسال بھی اپنا زرِ اعانت جمع کروا کر سالِ نو میں رسالے کی خریداری کو یقینی بنائیں۔
شکریہ۔

بنک ڈرافٹ بھجوانے کا پتہ:
اکاؤنٹ نمبر:- ۷-۶۵۰۶ بنام "الحسن" پشاور
یو بی ایل پشاور سٹی برانچ

سید غلام الحسنین گیلانی
منتظم اعلیٰ
شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت پشاور

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضمون نگار	عنوان	نمبر شمار
۳	اقبال ساجد	شذرہ	۱
۴	پیر مخدوم معین الدین	غزل	۲
۵	مدیر علمی	تفسیر القرآن الحسنیہ	۳
۸	ساغر صدیقی	نعت پاک	۴
۹	مدیر اعلیٰ	انوار علی کرم اللہ وجہہ	۵
۱۲	قاری نصیر الدین	فضائل رمضان المبارک	۶
۱۷	حامد حسن صاحب مدظلہ	برکات رمضان المبارک	۷
۱۹	پروفیسر محمد طاہر فاروقی	عید رمضان	۸
۲۵	سید مجاہد حسین	فرقہ واریت اور اس کا حل	۹
۳۰	مفتی خلیل الرحمان نقشبندی	استفتاء (شجرہ طریقت پڑھنا)	۱۰
۴۰	غلام مرتضیٰ	مقام مصطفیٰ	۱۱
۴۴	صوفی مشتاق احمد	معرکہ حق و باطل	۱۲
۵۰	انصار الہ آبادی	معراج تغزل	۱۳
۵۱	حکیم محمد حسن قادری	حسن پرستی کی حقیقت	۱۴
۵۶	پروفیسر زاہد حسن	نظریہ خودی	۱۵
۶۱	مولانا فضل الرحمانؒ پشاور	تلک عشرۃ کاملۃ	۱۶
۶۳	غلام دستگیر قادری	تبصرہ کتب	۱۷

شذرہ

شرح خواندگی میں اضافہ کے لئے ٹھوس اقدامات کی ضرورت

اقبال ریاض

پروگرام ۲۰۱۰ء کے چیف کوارڈینیٹر ڈاکٹر احسن اقبال نے کہا ہے کہ حکومت ملک کو مختلف شعبہ زندگی میں خود کفیل بنانے کے لئے مخلصانہ کوشش کر رہی ہے۔ خصوصاً تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔ کہ تعلیم سے ہر شخص کے بہرہ ور ہونے کی صورت میں جہاں ان میں سیاسی سوجھ بوجھ اور شعور میں اضافہ ہو سکتا ہے وہاں یہ بات ملک کی ترقی میں بھی زبردست معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر احسن اقبال نے یہ بات پچھلے دنوں ٹی وی کے پروگرام "عوامی فورم" میں کہی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ دور میں تعلیم کے فروغ کے بغیر کسی ملک کی ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تعلیم سے بے بہرہ انسان صحیح طور پر خدا کو پہچان سکتا ہے نہ حقوق اللہ سے اسے آگاہی ہوتی ہے۔ اور نہ اسے حقوق العباد سے ہی واقفیت ہو سکتی ہے۔ جبکہ وہ معاشرے میں بھی کوئی قابل فخر کام انجام نہیں دے سکتا۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد انتہائی وزن رکھتا ہے کہ "علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین ہی جانا پڑے" ہمارے ملک کو آزاد ہوئے پچاس برس گذر چکے ہیں لیکن بد قسمتی سے ہماری شرح خواندگی دوسرے نو آزاد ممالک کے مقابلے میں بھی بہت کم ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک کسی حکومت نے بھی اس اہم معاملے کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہیں دی۔ ہمارے ملک کی آبادی کی بڑی اکثریت دیہات میں آباد ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دیہات میں ۸۵ فیصد سے زیادہ لوگ تعلیم سے بے بہرہ اور عاری ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ معاشرے میں کسی بہتر کارکردگی اور خدمت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ انتخابات میں ہی وقت کے تقاضے اور قومی خدمت کے لئے کسی بہتر کارکردگی اور شعور کا اظہار کر سکتے ہیں۔ لہذا ووٹ دیتے وقت بھی وہ ذاتوں، قبیلوں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں، وڈیروں اور چودھریوں کے اثر ورسوخ اور گھیرے سے باہر نکل سکتے ہیں۔ محب وطن اور ملکی ترقی کے خواہش مند حلقوں کے لئے یہ صورتحال یقیناً لمحہ فکریہ ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ شرح خواندگی میں اضافے کے لئے مثبت، ٹھوس اور عملی اقدامات کئے جائیں۔ اور اس سلسلے میں خصوصی طور پر گاؤں اور قریہ میں پرائمری مڈل اور میٹرک کی سطح پر سکول قائم کئے جائیں اور اس کے ساتھ ہی تعلیم کو لازمی اور جبری قرار دیا جانا چاہیئے جبکہ اس سلسلے میں قابل، باصلاحیت اور صاحب کردار اساتذہ کا تقرر بھی ضروری ہے۔

غزل

زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین سید شاہ معین الدین مشتاق صاحبؒ گولڑوی

میرا چاہنا دیکھ کیا چاہتا ہوں
فقط تجھ کو جان وفا چاہتا ہوں

میرے ہو، ہمیشہ رہو گے میرے ہی
کہو، منہ سے تیرے سنا چاہتا ہوں

وفا کا ہوں طالب، وفا کی ہے عادت
وفا کر رہا ہوں، وفا چاہتا ہوں

محبت ہو دونوں طرف ایک جیسی
یہ کیا کہہ رہا ہوں، یہ کیا چاہتا ہوں

تیری مست آنکھوں سے آنکھیں ملا کر
میں یوں مست و بے خود بنا چاہتا ہوں

امینِ محبت رہیں دونوں مشتاق
یہی تجھ سے غوث الوری چاہتا ہوں

گذشتہ سے پیوستہ

تفسیر القرآن الحسنیہ

مدیر اعلیٰ

وقالت اليهود ليست النصرٰي علي شيء وقالت النصرٰي ليست اليهود علي شيء وهم يتلون الكتٰب كذٰلك قال الذين لا يعلمون مثل قولهم فالله يحكم بينهم يوم القيامة فيما كانو فيه تختلفون (۱۱۳) ومن اظلم ممن منع مسجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعٰي خرابها اولٰئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين ـ لهم في الدنيا خزيٌ ولهم في الاخرة عذابٌ عظيمٌ (۱۱۴) ولله المشرق والمغرب فاينما تولو فثم وجه الله ان الله واسعٌ عليمٌ (۱۱۵)

ترجمہ : اور یہودیوں نے کہا کہ نصرانی کسی (حقیقت) پر نہیں ہیں (اور اسی طرح) نصرانیوں نے کہا کہ یہود کسی حقیقت پر نہیں حالانکہ وہ (دونوں) (اپنی اپنی) وحی الٰہی کی تلاوت کرتے تھے ۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جو بے علم تھے ۔ ان کے کہنے کے مطابق کہا ۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اس معاملہ میں جس میں کہ وہ اختلاف کرتے تھے ۔ اور اس شخص سے بڑا کون ظالم ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مساجد میں جانے سے منع کرتا ہے اس لئے کہ اس میں اسکے نام مبارک کا ذکر کیا جائے اور اسکو برباد کرنے کی کوشش کرے ۔ یہ لوگ وہی ہیں جنکے لئے یہ زیبا ہی نہیں کہ یہ ان مساجد میں داخل ہوں مگر ہاں ڈرتے ہوئے ۔ انکے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور نیز ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے (۱۱۴)

اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے لئے ہی مشرق و مغرب ہے ۔ پس جدہر بھی تم رخ کرو پس ادھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے ۔ (بلاکیف) بے شک اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا ہے ، خوب جانتا ہے ۔

حل لغت : اظلم : بہت بڑا ظالم ۔ افعل التفصیل کا صیغہ ہے جسکے معنی ہیں بہت زیادہ ظالم ۔ منع :واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، فعل ماضی ہے، روکا، منع کیا، باز رکھا ۔ یذکر : واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے ۔ فعل مضارع مجہول ہے ۔ سعٰي :سعيٌ سے ہے ۔ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے ۔ فعل ماضی ہے ۔ جس کے معنی کوشش کی ، کے ہیں ۔ تولو: تم منہ کرو، تم رخ کرو، جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے ۔ فعل مضارع ہے ۔ ثم : اسی طرح ۔ وجہ اللہ : اس سے مراد اس کی ذات اقدس ہے ،اس کی رحمت ہے ۔ واسعٌ: وسعت والا، فراخی والا، بہت گنجائش والا۔

تفسیر: ایک مرتبہ نجران قبیلے کے کچھ علماء حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اسی وقت علماء یہود میں سے بھی چند علماء آموجود ہوئے۔ بجائے اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ لوگ گفتگو کرتے آپس میں ہی جھگڑ پڑے۔ ایک دوسرا فریق ایک دوسرے کی نبوت کا انکار کر بیٹھا۔ اور یہاں تک جھگڑے میں بڑھ گئے کہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ تم کچھ نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی اس ضد اور ہٹ دھرمی کو ان کے مکالمے کی صورت میں ہی بیان فرما دیا اور یہی نہیں بلکہ جو دوسری قومیں تھیں اور فرقے تھے، ان کی کیفیت بھی بیان فرما دی کہ جس طرح یہ آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں اسی طرح یہ جاہل، مشرک بھی انہی کی مانند گفتگو کرتے ہیں مگر یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان یہود و نصاری کے عناد، بغض اور دشمنی کا ذکر الگ طریقے سے فرمایا کہ یہ تو آسمانی کتابوں انجیل اور تورات کو پڑھنے والے ہیں جو کہ حقیقت ثابتہ ہے اور علم سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر یہ جاہل لوگ جو انہی کی طرح تکذیب کرتے ہیں یہ بے علم ہیں۔ ان کا جھگڑا جہالت پر مبنی ہے۔ لہٰذا ان میں کوئی فرقہ بھی کسی دوسرے کی بات کو قیامت تک ماننے والا نہیں اس لئے اے ملت اسلامیہ! تم ان کی طرح ان بے معنی جھگڑوں میں مت مبتلا ہو جاؤ۔ قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کو واضح اور ثابت فرما کر ان تمام جھگڑوں کا فیصلہ فرمادیگا۔ حق حق ہو جائے گا اور باطل باطل۔ اس واقعہ کے بیان میں ملت اسلامیہ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تنبیہ ہے کہ گری ہوئی قوموں کی طرح کہیں تم بھی گروہ بندی اور فرقہ پرستی میں گھر نہ جاؤ اور آپس کے تشتت و افتراق، انتشار و اختلاف کا شکار نہ ہو جاؤ۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے اور سیّد عالم و عالمیان حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اور اسوہ حسنہ موجود ہے۔ تمہارے ہر ایک معاملہ میں تمہیں فیصلہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے اور اسی اتحاد و اتفاق کے ساتھ اس پر عمل کرنے میں تمہارے لئے عزت و نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو لسانی، عصبی، جغرافیائی، گروہی، فرقہ بندی سے بچائے اور محفوظ رکھے (آمین ثم آمین)۔ اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مساجد تو اللہ تعالیٰ کے نام پر بنائی جاتی ہیں کسی خاص گروہ، فرقہ یا مذہب کے نام پر نہیں بنتیں۔ اسی لئے ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسی کی یاد ہوتی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادتگاہوں کو بھی اپنے مخصوص فرقوں میں بانٹ دیا اور ایک فرقہ دوسرے فرقے کی مسجد میں جاتے ہوئے بھی ڈرتا اور خوفزدہ ہوتا۔ اسی لئے وہ مناسب ہی نہیں سمجھتے تھے کہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں میں

اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔ "اے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہماری انتہائی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے شہر میں تشریف لائے اور ہم کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔ ہم آپ کے اس احسان عظیم کو ہرگز ہرگز نہیں بھلا سکتے، ہم آپ کے ہر حکم پر بے چون وچرا عمل کرنے کو تیار ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں تو ہم سمندر میں بھی کود پڑنے کو تیار ہیں" دوسرے معززین انصار نے بھی پرجوش تقریریں کیں۔

مہاجرین و انصار کی مجاہدانہ تقاریر سن کر سالار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک ۲ ھجری (۶۲۳ء) میں تین سو تیرہ مجاہدین اسلام کا ایک لشکر مرتب کیا جن میں ساٹھ مہاجرین اور دو سو ترپن انصار تھے۔ اللہ والوں کا یہ مختصر لشکر مدینہ منورہ سے نکلا، یہ لشکر عام لشکروں کی طرح نہ تھا بلکہ۔

یہ لشکر ایک مٹی بھر جماعت حق پسندوں کی
بھری دنیا سے منہ موڑے ہوئے دیندار بندوں کی
کہ مل کر تین سو تیرہ جوان وپیر تھے سارے
نہ ان کے پاس خیمے تھے، نہ سامان رسد کوئی
نہ ان کی پشت پر تھا جز خدا بھر مدد کوئی
نہ زرہیں تھیں نہ ڈھالیں تھیں نہ خنجر تھے نہ شمشیریں
فقط خاموش تسکیں تھی فقط پر جوش تکبیریں
کوئی ساماں نہیں تھا ایک ہی سامان تھا ان کا
خدا واحد، نبی صادق ہے، یہ ایمان تھا ان کا
یہ پہلا جیش تھا دنیا میں افواج الٰہی کا
جسے اعلان کرنا تھا خدا کی بادشاہی کا
یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

اسی اثناء میں قریش کا لشکر جن میں ایک ہزار سپاہ اور سوار تھے۔ عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا اور مناسب جگہوں پر قبضہ کر کے صف آرائی کی۔ قریش کا یہ لشکر اگر ایک طرف نخوت، غرور، تکبر اور بغض وحسد کے آلات سے مسلح تھا تو دوسری طرف۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ساغر صدیقی

اس کی لوری کے لئے لفظ کہاں سے لاؤں ؟
سارے عالم کے مقدر کو جگایا جس نے
جس کے جھولے پہ ملائک نے ترانے چھیڑے
قیصر وکسریٰ کی منڈیروں کو ہلایا جس نے

جو کھلونوں سے نہیں شمس وقمر سے کھیلے
جن پہ سایہ پر جبریلؑ کیا کرتے تھے
گود میں لے کے گذرتی تھیں حلیمہؓ جس سمت
خار اس راہ کو خوشبو ہی دیا کرتے تھے

جن کو الہام ونبوت کا امیں ہونا تھا
جن سے قائم ہوئے بیدار نگاہی کے اصول
دوش براق پہ پہنچے جو سر عرش بریں
وہ خلاؤں کے پیمبر وہ فضاؤں کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

رباعی

قمر نجمی بھوپالی

بطحا کی طرف سے جو اشارا ہو جائے
منجدھار بے دریا کا کنارا ہو جائے

ہر قطرہ طوفاں سے ہو ساحل پیدا
ہر موج سفینہ کا سہارا ہو جائے

انوارِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم

مدیر اعلیٰ

حدیث نمبر :- ۵/۱۳۱ انبانا احمد بن سلیمان قال حدثنا الفضل بن دکین قال حدثنا زکریا عن فراس عن الشعبی عن مسروق عن عائشةؓ قالت اقبلت فاطمة مشیتها مشیة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم فقال مرحباً بابنتی ثم اجلسها عن یمینہ او عن شمالہ ثم اسر الیھا حدیثا فبکت فقلت لھا استحضک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بحدیثہ و تبکین ثم انہ اسر الیھا حدیثاً فضحکت فقلت ما رایت مثل الیوم فرحاً اقرب من حزن فسالتھا عما قال فقالت ما کنت لافشی سر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم حتی اذا قبض سالتھا ففقالت انہ اسر الی اولا فقال ان جبرئیل کان یعارضنی بالقرآن کل سنة مرة و انہ قد عارضنی بہ العام مرتین وما ارانی الا وقد حضر اجلی و انک اول اھل بیتی لحاقابی و نعم السلف انا لک قالت فبکیت لذالک ثم قال اما ترضیٰ ان تکون سیدة النساء ھذہ الامة او نساء المومنین قالت فضحکت۔

ترجمہ :- ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ (سیدہ) فاطمۃ (الزہراؑ) آئیں۔ ان کی رفتار جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار کی طرح تھی۔ تو جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے میری بیٹی مرحبا! پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے دائیں یا بائیں بٹھایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سرگوشی فرمائی۔ تو (سیدہ) روئیں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنی بات سے ہنسانا چاہا اور تو رو دی۔ پھر ان کے ساتھ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سرگوشی فرمائی۔ تو آپ ہنس دیں۔ تو میں نے کہا میں نے آج کے دن کی خوشی، نزدیک غم کے نہیں دیکھی۔ سو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو کیا فرمایا تھا۔ تو (سیدہ) نے فرمایا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو اس وقت تک افشا نہ کروں گی جب تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہ ہو جائے۔ تو میں نے ان سے پوچھا پس انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پہلی بار مجھ سے سرگوشی فرمائی تھی، یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یقیناً ہر سال جبرائیل میرے ساتھ ایک بار دور کرتا تھا۔ اور بے

شک اس نے اس سال دو بار میرے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا ہے۔ اور میں سمجھ رہا ہوں کہ میرے وصال کا وقت قریب ہے اور بے شک میری اہلبیت سے تو مجھ کو سب سے پہلے ملے گی۔ اور میں تیرے لیے اچھا پیشوا ہوں۔ فرمایا۔ اس بات نے مجھے رلا دیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ تو اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو یا یہ فرمایا کہ تمام مومن عورتوں کی سردار ہو۔ پس میں ہنس دی۔

حلّ لغت:۔ مشیۃ: وضع، چلن، رفتار۔ مرحبا: "مجمع البحرین" میں ہے کہ مرحبا ایک انس اور محبت کا کلمہ ہے ۔جو آنے والے سے کہتے ہیں۔ تاکہ وہ خوش ہو اور مزید خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوں۔ فرح: خوش ہونا، اترانا۔ حزن: رنج، صدمہ، غم۔

تشریح:۔ ارشاد ہے "انکی رفتار جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار کی طرح تھی" یعنی جناب سیدہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چال اپنے والد گرامیٔ منزلت حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چال کے ہوبہو تھی۔ ارشاد ہے "میں نے آج کے دن کی خوشی، نزدیک غم کے، نہیں دیکھی۔" یعنی خوشی کا غم کے فوراً بعد پیدا ہونا میں نے اس طرح کبھی نہیں دیکھا۔ کہ یا تو آپ رو رہی تھیں اور پھر فوراً ہی آپ ہنس رہی ہیں۔ ارشاد ہے "تو میں نے ان سے پوچھا" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب تو وہ سرگوشی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی بتا دیجئے۔ ارشاد ہے "تم اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو یا فرمایا کہ تمام مومن عورتوں کی سردار ہو۔" یعنی راوی کا شک ہے کہ یہ فرمایا کہ "هذه الامة" یا "نساء المؤمنين" اسناده صحيح رجاله ثقاة۔

حدیث ۶/۱۳۲: انبانا محمد بن معمر البحراني قال حدثني ابو داود قال حدثنا ابو داود قال حدثنا ابو عوانة عن فراس عن الشعبي عن مسروق قال اخبرني عائشة قالت كنا عند رسول الله صلي الله تعالي عليه و آله وسلم جميعاً ما يغادر منا واحدة فجائت فاطمة تحشي ولا والله ان تخطي مشيتها من مشية رسول الله صلي الله تعالي عليه و آله وسلم حتي انتهت اليه فقال لها مرحباً يا بنتي فاقعدها عن يمينه او عن يساره ثم سارها بشئي فبكت بكاء شديداً ثم سارها بشئي فضحكت فلما قام رسول الله صلي الله تعالي عليه و آله وسلم قلت لها ما خصك رسول الله صلي الله تعالي عليه و آله وسلم من بيننا بالسرار و اتبكين اخبريني ما قال لك قالت ما كنت لافشي رسول الله صلي الله تعالي عليه و آله وسلم بسره فلما توفي قلت لها اسلك باذي لي عليك من الحق ما سارك به رسول الله صلي الله تعالي عليه و آله وسلم فقالت اما الآن فنعم سارني المرة الاولي فقال ان

جبرئیل کانی یعارضني بالقرآن في کل عام مرةً وانه عارضني به العام مرتین ولااراي الاجل قداقترب فاتقي الله تعالي واخبري فبکیت ثم قال لي یافاطمة اماترضین ان تکون سیده النسآء هٰذه الامة وسیدة النسآء العالمین فضحکت

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ہم سب جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع تھیں۔ ہم میں سے کوئی باقی نہیں تھی (سیّدہ) فاطمہ (الزہرا) تشریف لائیں۔ اللہ جل جلالہ کی قسم کہ (سیّدہ) فاطمہ (الزہراؓ) کی رفتار حضرت سیدنا و مولنا جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہو بہو رفتار تھی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریب پہنچ گئیں۔ پس فرمایا اے میری بیٹی مرحبا۔ پھر جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے دائیں طرف یا بائیں طرف بٹھایا۔ پھر ان سے کچھ سرگوشی فرمائی۔ پس آپ (سیدہ) فاطمۃ (الزہراؓ) بہت ہی زیادہ روئیں پھر ان سے کچھ سرگوشی فرمائی۔ پس آپ ہنسیں۔ سو جب جناب حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اٹھے تو میں نے (سیّدہ سے) کہا کہ وہ کون سی بات تھی جو حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خاص تجھ سے فرمائی؟ ہم سب کے درمیان سے تمہارے ساتھ سرگوشی کی اور تو روئی مجھے ضرور بتادے کہ تجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا؟ تو سیّدہ نے فرمایا کہ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس سرگوشی کو بیان کرنے والی نہیں ہوں۔ پس جب جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو میں نے (سیدہ سے) کہا کہ میرا تجھ پر حق ہے اس لئے میں تجھ سے (یہ بات) پوچھتی ہوں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے ساتھ کیا سرگوشی فرمائی تھی؟ تو (سیّدہؓ) نے فرمایا۔ ہاں اب سن پہلی بار جو میرے ساتھ سرگوشی فرمائی۔ (تو وہ یہ تھی) ارشاد فرمایا۔ بے شک جبرئیل ہر سال قرآن کا دورہ میرے ساتھ ایک بار کرتا تھا مگر اس سال اس نے دو بار کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وصال قریب ہے تو اللہ سے ڈر اور صبر کر، تو میں روئی، پھر مجھے جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہؓ کیا تو یہ پسند نہیں کرتی کہ تو میری امت کی تمام عورتوں اور عالمین کی عورتوں کی سردار ہو، پس میں ہنسی۔

حل لغت: غدر پیچھے رہ جانا، آسمان کا پانی پینا، تاریک ہونا۔

تشریح: ارشاد ہے "ہم سب جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع تھیں" یعنی تمام (امہات المومنین) ازواج مطہرات حضور سرور عالم وعالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے

باقی ۱۴ پر

فضائل رمضان المبارک

الحافظ مولانا مولوی قاری نصیر الدین صاحب خطیب جامع مسجد ابوالبرکات سید حسن صاحب

رمضان المبارک وہ برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ ہے کہ جس کے بارے میں آقائے نامدار شفیع روز شمار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان المبارک کیا چیز ہے تو میری امت یہ تمنا کرے کہ کاش سارا سال ہی رمضان ہو۔ یہ مبارک مہینہ مسلمانوں کے لئے اللہ عزوجل کا بہت بڑا انعام ہے۔ رمضان المبارک کی بہت بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ عزوجل نے قرآن پاک نازل فرمایا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدًی للناس وبینٰت من الهدیٰ والفرقان۔ فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضاً او علی سفر فعدةٌ من ایام اخر۔ یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدة ولتکبروا الله علی ما هدٰکم ولعلکم تشکرون

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔ لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں، تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں، اللہ عزوجل تم پر آسانی چاہتا ہے اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم حق گزار ہو۔

مندرجہ بالا آیت کے ابتدائی حصہ شهر رمضان الذی کے تحت مفسر شہیر حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "رمضان یا تو رحمٰن عزوجل کی طرح اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ چونکہ اس مہینہ میں دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے لہٰذا اسے شہر رمضان یعنی اللہ تعالیٰ کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ جیسے مسجد و کعبہ کو اللہ تعالیٰ کا گھر کہتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے ہی کام ہوتے ہیں۔ ایسے ہی رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے، روزہ تراویح تو ہے ہی اللہ تعالیٰ کے مگر بحالت روزہ جو جائز نوکری اور جائز تجارت وغیرہ کی جاتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کام قرار پاتے ہیں۔ اس لئے اس ماہ کا نام رمضان یعنی اللہ کا مہینہ ہے یا یہ رمضاءٌ سے مشتق ہے۔ رمضاء موسم خریف کی بارش کو کہتے ہیں جس سے زمین دھل جاتی ہے ربیع کی فصل خوب ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مہینہ بھی گرد و غبار دھو دیتا ہے اور اس سے اعمال کی کھیتی ہری بھری رہتی ہے۔ اس لئے اسے رمضان کہتے ہیں۔ یا پھر یہ رمضی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں گرمی یا جلنا۔ چونکہ اس میں مسلمان بھوک پیاس کی تپش

برداشت کرتے ہیں یا یہ گناہوں کو جلا ڈالتا ہے اس لئے اس کو رمضان کہتے ہیں۔ رمضان المبارک کے فضائل سے کتب احادیث بھری ہوئی ہیں۔

حضرت سیدنا سلیمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ محبوب رحمٰن مکی مدنی سلطان رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ شعبان کے آخری دن وعظ فرمایا "اے لوگو! تمہارے پاس عظمت والا برکت والا مہینہ آرہا ہے۔ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس ماہ مبارک کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے اور اس کی رات میں قیام یعنی تراویح کو ثواب کی چیز بنایا۔ جو اس میں نیکی کا کام کرے تو ایسا ہے جیسے اور کسی مہینے میں فرض ادا کیا اور اس میں جس نے فرض ادا کیا تو ایسا ہے جیسے اور دنوں میں ستر فرض ادا کئے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور مہینہ مواسات (غمخواری اور بھلائی) کا ہے اور اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے جو اس میں روزہ دار کو افطار کرائے اس کے گناہوں کے لئے مغفرت ہے اور اس کی گردن آگ سے آزاد کر دی جائے گی اور اس افطار کرانے والے کو ویسا ہی ثواب ملے گا جیسا روزہ رکھنے والے کو ملے گا اور اس کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہر شخص کی یہ طاقت نہیں کہ وہ روزہ افطار کرائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب تو اس شخص کو بھی دے گا جو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے روزہ افطار کرائے اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہوگا یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے یہ وہ مہینہ ہے جس کا اول (ابتدائی دس دن) رحمت ہے اور اس کا وسط (درمیانی دس دن) مغفرت ہے اور آخر (آخری دس دن) جہنم سے آزادی ہے جو اپنے غلام پر اس مہینے میں تخفیف کرے یعنی کام کم لے۔ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور جہنم سے آزاد فرمادے گا (بیہقی)

حضرت قبلہ مفتی احمدیار خان نعیمیؒ فرماتے ہیں " رمضان المبارک کی مثال ایک بھٹی کی ہے جیسے کہ بھٹی گندے لوہے کو صاف اور صاف لوہے کو مشین کا پرزہ بنا کر قیمتی کر دیتی ہے۔ اور سونے کو زیور بنا کر استعمال کے لائق کر دیتی ہے ایسے ہی ماہ رمضان گنہگاروں کو پاک کرتا ہے اور نیک لوگوں کے درجے بڑھاتا ہے"۔

رمضان المبارک وہ مبارک مہینہ ہے جس کے استقبال کے لئے سارا سال جنت کو سجایا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے۔ " بے شک جنت ابتدائی سال سے آئندہ سال تک رمضان المبارک کے لئے سجائی جاتی ہے" اور فرمایا کہ رمضان شریف کے پہلے دن جنت کے درختوں کے نیچے سے بڑی بڑی سفید آنکھوں والی حوروں پر ہوا چلتی ہے اور وہ عرض کرتی ہیں کہ اے پروردگار! اپنی بندوں میں سے ایسے بندوں کو ہمارا شوہر بنا جن کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور جب وہ ہمیں دیکھیں تو ان کی آنکھیں بھی ٹھنڈی ہوں۔"

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مکی مدنی سرکار شفیع روز شمار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں " روزہ اور قرآن بندے کے لئے شفاعت کریں گے، روزہ عرض کرے گا اے رب کریم! میں نے کھانے اور خواہشوں سے دل میں اسے روک دیا میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما، قرآن کہے گا اے رب کریم! میں نے اسے رات میں سونے سے باز رکھا میری شفاعت اس کے لئے قبول فرما، دونوں کی شفاعتیں قبول ہوں گی (طبرانی و بیہقی)۔

ان تمام فضائل وبرکات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اگر اپنا محاسبہ کریں کہ آیا ہم ان تمام فضائل وبرکات کو سمیٹ رہے ہیں یا یونہی اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کر رہے ہیں۔ کیا روزے کا جو مقصد ہے وہ ہم پورا کر رہے ہیں یا نہیں۔ حیات انسانی کا بنیادی مقصد عبادت خداوندی ہے اس لئے عبادت کسی سال مہینے یا دن یا رات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مومن کی ہر گھڑی ہر سانس اور رات دن کی تمام ساعات اسی اہم فریضہ کی تکمیل کے لئے وقف ہونی چاہیئے۔ بنیادی طور پر عبادت حکم خداوندی کو بجالانے کا نام ہے اس لئے علماء کرام نے فرمایا کہ ہر وہ اچھا کام جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اسکے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے جذبے سے سرشار ہو کر کیا جائے عبادت کہلاتا ہے۔ اصطلاحی طور پر عبادت چند مخصوص اعمال کا نام ہے ان میں سے چار عمل نہایت اہم، اور بنیادی حیثیت کے حامل ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ طیبہ کے بعد ان چاروں کو اسلام کی بنیاد قرار دیا۔ یہ چار ارکان اسلام، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

ماہ رمضان المبارک وہ بابرکت اور ممتاز مہینہ ہے جس میں عبادت کی یہ چاروں صورتیں کسی نہ کسی انداز میں دوسرے مہینوں کے مقابلے میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ رمضان میں ان عبادات کی کثرت ظاہری اور حسی طور پر بھی اور معنوی بھی اس لئے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ رمضان المبارک عبادت کا مہینہ ہے۔ کیونکہ نماز جو ہم باقی مہینوں میں پانچ وقت کی اجتماعی طور پر ادا کرتے ہیں جبکہ رمضان المبارک میں اس اجتماعی عبادت میں بیس رکعت یومیہ کا اضافہ ہوتا ہے۔

بلکہ ثواب کے اعتبار سے بھی یہ عبادت بڑھ جاتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے جو شخص اس میں ایک نفلی بھلائی کے ساتھ قرب خداوندی حاصل کرے، گویا اس نے دوسرے مہینوں میں فرض ادا کیا اور فرض ادا کرنے والا دوسرے مہینوں میں ستر فرض ادا کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرتا ہے تو یوں ایک نفل فرض کے برابر اور ایک فرض ستر فرائض کے برابر ہو جاتا ہے۔ اس لئے رمضان المبارک میں نماز سے غفلت ایک غیر دانشمندانہ اور نقصان دہ عمل ہے۔ اسی طرح عبادات میں دوسری اہم عبادت روزہ ہے اور رمضان کا مہینہ روزے کے لئے مخصوص ہے اور ہر عاقل بالغ مسلمان پر روزہ فرض ہے اگر سفر یا بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو قرآن پاک میں فعدة من ایام اخرہ کے ذریعے عید کے بعد ان چھوڑے ہوئے روزوں کی قضاء کر کے تعداد مکمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو روزہ نہ صرف عبادت ہے بلکہ کئی عبادات کی بنیاد ہے۔ کیونکہ روزے کی حالت میں بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے تو صدقات و خیرات جیسی اہم عبادت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ روزے کی حالت میں جب حکم خداوندی کی بجاآوری کا ایک عظیم الشان درس ملتا ہے تو یہی سبق دیگر احکام خداوندی کی ترغیب دیتا ہے یوں انسان اطاعت خداوندی کا خوگر بن جاتا ہے اور اس طرح کئی عبادات کی بجاآوری کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

یوں تو رمضان المبارک کی ہر ہر گھڑی رحمت اور برکات سے بھری ہوئی ہے اور ہر ساعت اپنے جلو میں وہ بے پایاں رحمتیں لئے ہوئے ہے مگر اس ماہ محترم میں شب قدر سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اس کی شان مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورہ نازل فرمائی۔ لہٰذا اس مقدس رات کو ہرگز ہرگز غفلت میں نہیں گزارنا چاہئے اس رات کو توبہ و استغفار کی کثرت کرنی چاہئے۔ اس رات میں عبادت کرنیوالے کو ایک ہزار ماہ یعنی تراسی سال چار ماہ سے بھی زیادہ عبادت کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص کرم ہے جو کہ یہ عظیم رات صرف اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو عطا کی گئی۔ یہ رات ہر طرح سے خیریت اور سلامتی کی ضامن ہے یہ رات اول تا آخر رحمت ہی رحمت ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں "یہ رات سانپ و بچھو آفات وبلیات اور شیاطین سے بھی محفوظ ہے۔ اس رات میں سلامتی ہی سلامتی ہے"

حضرت عبادہ بن صامت ؓ نے سرکار عالی وقار مدنی تاجدار نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اخدمت بابرکت میں شب قدر کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے طاق دنوں میں ہے یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ ویں شب میں ہے یا رمضان کی آخری شب ہے تو جو کوئی ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے اس مبارک رات میں عبادت کرے اسکے تمام گذشتہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اس کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مبارک شب کھلی ہوئی روشن اور بالکل صاف وشفاف ہوتی ہے اس میں نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے نہ سردی بلکہ یہ رات معتدل ہوتی ہے۔ گویا کہ اس میں چاند کھلا ہوا ہوتا ہے اس پوری رات میں شیاطین کو آسمان کے ستارے نہیں مارے جاتے۔ مولائے کائنات حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں جو کوئی شب قدر میں سورۃ قدر سات مرتبہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر بلا سے محفوظ فرما دیتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے جنت کی دعا کرتے ہیں۔
ایک دوسری جگہ سرکار دو عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو شب قدر میں یہ دعا پڑھنے کو فرمایا۔ اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی
"اے اللہ بے شک تو معاف فرمانے والا ہے اور معافی دینے کو" پسند کرتا ہے لہذا مجھے بھی معاف فرمائے (مشکوۃ)

بقیہ: انوار علی کرم اللہ وجہ الکریم

حضور میں موجود تھیں۔ ارشاد ہے "ہم میں سے کوئی بھی باقی نہیں تھی" یعنی کوئی زوجہ محترمہ باقی نہیں تھی جو موجود نہ ہو۔ ارشاد ہے "کہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی رفتار حضرت سیدنا و مولنا جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہو بہو رفتار ہے" یعنی دونوں حضرات گرامی مرتبت ایک ہی طرح چلتے تھے، ارشاد ہے "پس ان سے کچھ سرگوشی فرمائی" یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو آہستہ سے کچھ فرمایا۔ ارشاد ہے "سو جب حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اٹھے "یعنی وہاں سے اٹھ کر تشریف لے گئے۔ ارشاد ہے "تو میری امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو اور تمام عالمین کی عورتوں کی سردار ہو" یعنی سیدۃ النساء جنابہ فاطمۃ الزہراؓ تمام مسلمان عورتوں کی جو کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ہیں سردار ہیں اور عالمین (جہانیوں) کی عورتوں کی بھی سردار ہیں۔ یہ فضیلت کسی اور حاصل نہیں ہے۔ (اسنادہ صحیح)

برکات رمضان المبارک

حضرت مفسر قرآن سید حامد حسن صاحب قادری بلگرامی مدظلہ

ماہ رمضاں یوں ہے شب قدر در آغوش
جس طرح شب چاردہم بدر در آغوش
صائم کو ہوا و نفس سے ہے جنگ
ہر صوم ہے صد معرکہ بدر در آغوش

روزوں میں ہیں وہ ذکر الٰہی کے مزے
حاصل ہیں گداؤں کو بھی شاہی کے مزے
رندوں کو نصیب لذت جام صبوح
صائم کو نماز صبح گاہی کے مزے

شیریں ہے عجب صدائے بے ساز اذاں
کھل جاتے ہیں روزے، ہے یہ اعجاز اذاں
یوں گوش بر آواز ہیں صائم، گویا
محبوب کی آواز ہے. آواز اذاں

روزوں میں جو برکت کا اثر آتا ہے
وہ دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے
جاتے ہیں جو روزے آسمانوں کی طرف
اللہ بھی لینے کو اتر آتا ہے

صائم صابر رہے تو پھر کیا کہنا
حق کے لئے دکھ سہے تو پھر کیا کہنا
روزہ میرے لئے ہے میں اس کی جزا
لو، خود ہی وہ یوں کہے تو پھر کیا کہنا

ہے نفس کی لذات کا روزہ، روزہ
کیا ورنہ بد اوقات کا روزہ، روزہ
تقوی کے لئے دن کی خصوصیت کیا
ہے اصل میں دن رات کا روزہ، روزہ

روزوں میں ہوس کی لے بڑھانا چھوڑو
منہ اور زبان دونوں چلانا چھوڑو
پیتے ہو جو کانوں سے وہ چھوڑو پینا
کھاتے ہو جو آنکھوں سے وہ کھانا چھوڑو

اس طرح سے کیوں ہو مبتلائے روزہ
گویا سر پڑ گئی بلائے روزہ
ہے ناقص روزہ منہ بنائے رہنا
کونین[1] سے جیسے ٹوٹ جائے روزہ

[1] انگریزی دوا

عید رمضان

پروفیسر ڈاکٹر طاہر فاروقی صاحب

ہر قوم اپنے تہواروں پر جشن مناتی ہے اور گلچھرے اڑاتی ہے۔ مسلمانوں کے بھی تہوار ہوتے ہیں اور مسلمان بھی ان موقع پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن غور کیجئے تو مسلمانوں کے تہوار اور تمام اقوام سے مختلف نوعیت رکھتے ہیں۔ یوں تو مسلمانوں کے لئے ہر ہفتہ میں ایک عید کا دن ہے (الجمعة عید المسلمین) فرمان رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ہر جمعہ کو مسلمان اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر خدا کے دربار میں اجتماعی طور پر عبودیت کا اظہار کرتا اور خوشی مناتا ہے لیکن اس ہفتہ وار عید سے بڑھ کر مذہب نے ہمارے لئے دو بڑی عیدیں بھی مقرر کی ہیں۔ عید الفطر اور عید الضحیٰ۔ یہی ہمارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں۔ اکثر قومیں اپنے تہواروں میں طرح طرح کے فسق و فجور روا رکھتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کے تہوار عبادت ہوتے ہیں۔ جن موقعوں پر مسلمان اپنے سچے مذہب کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے دوسروں کے سامنے اپنے کردار کی اعلیٰ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ عید آتی ہے تو ہر مسلمان خوش و خرم ہوتا ہے۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے اور خوشبوئیں لگائے ہوئے وہ دیدباز دید کے لئے ایک دوسرے کے ہاں جاتے ہیں اور آپس میں گلے مل کر اسلامی محبت اور مواخات کے منظر دکھاتے ہیں۔ خورد و نوش، حرکات و سکنات، رفتار و گفتار میں کوئی ایسی بات نہیں جو مذہبی، اخلاقی یا معاشرتی نقطہ نظر سے ناپسندیدہ قرار پائے۔

مسلمانوں کو عید کے دن مسرت ہوتی ہے کہ وہ رمضان شریف کے مبارک مہینہ کے پورے روزے رکھ کر اسلام کے تیسرے بڑے رکن کا فرض ادا کر سکے۔ پیسے والے مسلمان اس خوشی کے موقع پر اپنے نادار بھائیوں کو نہیں بھولتے۔۔ ان کو حکم ہے کہ وہ صدقہ فطر ادا کریں جس کا مقصد جہاں یہ ہے کہ ہم اپنی کمائی کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں صرف کریں، وہاں اس سے یہ بھی مطلوب ہے کہ ہمارے غریب بھائی بھی اس پر مسرت تہوار پر خوشیاں منانے میں ہمارے شریک ہو سکیں اور ان کی ناداری ان کے لئے رنج اور حسرت کا سبب نہ بنے۔

رمضان شریف کا مہینہ مبارک زمانہ ہے جس میں قرآن پاک اتارا گیا ہے یعنی عالم اسلام ہی نہیں تمام عالم انسانیت کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات انعام خداوندی کے طور پر جس مہینہ

میں نازل ہوا وہ بھی رمضان کا مبارک مہینہ ہے۔ اس مہینے میں ہم پر روزرے فرض کئے گئے۔ روزہ دراصل ضبط نفس اور احتساب کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے۔ جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی اور روحانی اعتبار سے بھی صرف یہ ہی نہیں کہ روزہ ہمیں نفس کشی کی تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس طرح ہم دوسروں کی مشکلات کا صحیح احساس پیدا کرتے ہیں اور ہم میں تزکیہ نفس اور جفاکشی کے ساتھ ساتھ خلوص، ایثار، خدمت اوزامداد باہمی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اسی لئے تو ہم عید کی صبح کو اس انعام پر اپنی عبودیت کے اظہار کے لئے بارگاہ خداوندی میں سرنیاز خم کرتے ہیں اور سجدہ شکر بجا لاتے ہیں۔

عہدرسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چار بیحد اہم واقعات رمضان اور شوال کے مہینوں میں پیش آئے تھے جن میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کے کبھی نہ بھولنے والے اسباق پوشیدہ ہیں۔ غزوہ بدر رمضان میں ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ شریف آجانے کے بعد ۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا تھا۔ حق وباطل کی یہ پہلی سب سے بڑی جنگ تھی۔ کفراور اسلام اس وقت ٹکرائے تھے اور اس زور سے ٹکرائے تھے کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی "اے اللہ! اپنا وعدہ پورا کر۔ اگر آج یہ چند مسلمان مٹ گئے تو پھر قیامت تک کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا" باطل کی ایک ہزار ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ فوج کا، حق کا علم بلند کرنے والے صرف تین سو تیرہ مجاہدوں سے مقابلہ تھا، جن میں سے کسی کے پاس بھی پورے ہتھیار نہ تھے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ باطل کے تمام بڑے بڑے ستون ٹوٹ گئے اور حق کا جھنڈا سربلند ہوا۔ مسلمانوں کو یہ شاندار فتح اس لئے نصیب ہوئی کہ ان علم برداران اسلام کے دل اطاعت خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پرخلوص جذبے سے سرشار تھے۔ ان میں ہمت، شجاعت، سچائی، ایثار، بے غرضی اور حقانیت تھی۔

اب غزوہ احد کو دیکھئے یہ شوال میں ہوا۔ پانچ ہزار باقاعدہ مسلح فوج کے مقابلے میں صرف ایک ہزار مسلمان تھے جن کا سازو سامان کفار کے مقابلے میں ہیچ تھا۔ باطل حق کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے کفار نے یہاں بھی شکست کھائی لیکن ایک ذرا سی لغزش نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دستے او ایک درے کی حفاظت پر متعین فرمایا تھا اور تاکید کی تھی کہ ہرگز مورچہ نہ چھوڑنا۔ وہ فتح ہوتی دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئے، چنانچہ رنگ بدل گیا اور مسلمانوں نے کافی نقصان اٹھایا، ایسا کیوں ہوا؟ محض اس لئے کہ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں اپنی غرض یا اپنی رائے شامل کر دی گئی

تھی اور جنگ بدر والا خلوص عمل اور جذبہ ایثار کارفرما نہ رہا تھا۔

اسی طرح دو اور مثالیں دیکھیے، فتح مکہ رمضان میں ہوئی، صلح حدیبیہ میں جو معاہدے ہوئے تھے۔ اہل مکہ نے انکی پیہم خلاف ورزی کی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ پر فوج کشی کرنی پڑی تاکہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دے کر مظلوموں کی دادرسی کی جائے۔ لیکن فتح مکہ کی تفصیلات ہم کو بتاتی ہیں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ اللعالمینی کے صدقے میں کفار کا یہ سب سے بڑا اور سب سے طاقتور مرکز بالکل پرامن طریقہ پر فتح کیا گیا۔ کل تیرہ سپاہی لشکر کفار سے مارے گئے تھے اور تمام ایسے خطاکار جن کی عمر اسلام دشمنی میں کٹی تھا اور کئی ایسے مجرم جو سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے ہر قانون کے تحت واجب القتل تھے، معاف کر دیئے گئے تھے۔ فرمان رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھا تم سب آزاد ہو، تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا" چنانچہ اہل مکہ کا جان اور مال سب قطعاً محفوظ رہا۔ کیا تاریخ عالم ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں، چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ، رحم و کرم اور عفو و جود کے واقعات سن کر دیکھتے دیکھتے تمام جزیرۃ العرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

فتح مکہ کے مقابلے میں غزوہ حنین پر غور کیجئے، یہ شوال کا مہینہ تھا اسلامی فوج میں مکہ کے نو مسلم بھی تھے اور دو ہزار غیر مسلم بھی، چنانچہ قبیلہ ہوازن کی تیراندازی کے سامنے یہ لوگ نہ جم سکے اور ان کے بھاگنے سے اسلامی لشکر میں افراتفری پیدا ہو گئی۔ مگر دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تدبر نے بھاگتوں کو روکا اور ان کی ہمت بندھائی چنانچہ کافروں کو شکست ہوئی اور لاتعداد مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے۔ عہد اسلام کا یہ زریں واقعہ اور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و کرم کی یہ عجیب مثال ہے کیونکہ دشمنان اسلام کے چھ ہزار سے زیادہ قیدی بغیر کسی سزا یا فدیہ کے رہا کر دیئے گئے تھے۔ اس جنگ کا دوسرا ایمان پرور واقعہ یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ مال ان اہل مکہ کو دیا تھا جو تازہ اسلام لائے تھے تاکہ ان کی تالیف قلوب ہو۔ انصار مدینہ اس مصلحت کو نہ پا سکے اور یہ بات ان کو ناگوار ہوئی اور ان میں سے بعض نے کہا کہ "رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب مال قریش کو دیا، حالانکہ ابھی تک ہماری تلواریں ان کے خون میں رنگین ہیں"۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو انصار کو بلا کر دریافت فرمایا، انہوں نے اقبال کیا کہ بعض نوجوانوں نے ایسا ہی کہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک

طویل تقریر فرمائی، اول ان احسانات کا ذکر فرمایا جو اسلام نے انصار پر کئے، پھر ارشاد ہوا کہ تم بھی جواب میں اپنی امداد و امانت گنا کر کہہ سکتے ہو کہ ہم نے بھی آپ کی اس اس طرح مدد کی لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر لے جاو" انصار یہ سن کر اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور انہوں نے کہا "ہم کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم درکار ہیں" پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سمجھایا کہ ان کو تالیف قلوب کے طور پر اسی قدر مال دیا ہے۔

رمضان وشوال کے مہینوں میں عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور عہد خلافت کے ایسے واقعات بھی بہت ہیں جو ہمارے لئے ضابطہ اخلاق بنانے میں اثر انداز ہوئے لیکن انہی غزوات پر غور کرنے سے ہم کو جو سبق حاصل ہوتے ہیں وہ ہماری عملی زندگی کے لئے زریں دستور العمل ہیں۔ باطل ہمیشہ حق سے ٹکراتا رہا ہے اور ٹکراتا رہے گا لیکن اگر حق کے نام لیوا اپنے دلوں میں ایمان اور یقین رکھتے ہیں اور ان کے اعمال میں خلوص اور جوش کارفرما ہے تو آج بھی ان کے لئے انعام خداوندی غزوہ بدر اور فتح مکہ جیسے شاندار نتائج پیش کرنے کو آمادہ ہے، مرد مومن کی اولوالعزمی، سرفروشی اور حقانیت تقدیرات الٰہی کو بدل سکتی ہے لیکن اسی وقت جب اس کے کردار میں بے غرضی، سچائی، ایثار اور خلوص ہو۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور اپنے اعمال کا جائزہ لیں رمضان نے ہم کو احتساب کا سبق سکھایا ہے ضبط نفس اور احتساب کی اس روزانہ مشق کے بعد عید کے دن ہم کو یہ احتساب کرنا ہے کہ اس مبارک مہینہ میں ہم نے خدا اور اسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر کس حد تک عمل کیا اگر ہم اس معیار پر پورے اترتے تو عید کا دن ہمارے لئے واقعی عید کا دن ہے۔ ورنہ تو محض ہجوم اور شور ہے ایک ہنگامہ ہو تو ہو، اسلامی شعار اور شکوہ ملک و دین ہرگز نہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

عید آزاداں شکوہ ملک و دین

عید محکوماں ہجوم مومنین

حکیم الامت کے قول پر غور کیجئے اور سوچئے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ خدا کے فضل سے آج ہم ایک آزاد قوم کے آزاد فرد ہیں۔ لیکن ہماری عید "ہجوم مومنین" سے زیادہ نہیں۔ ہماری عبادتیں اور ہمارے معاملات مذہب کی روح سے خالی نظر آتے ہیں۔ پاکستان، وہ پاکستان جسے لاکھوں مسلمانوں نے اپنے خون سے سیراب کیا ہے۔ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ ہم اس سے

ناواقف ہیں ۔ قوم کی اقتصادی بدحالی، عام جہالت اور اخلاقی پستی ہماری فوری توجہ اور پر جوش عمل کی محتاج ہیں لیکن ہم ہیں کہ ہم کو احساس ہی نہیں ۔ کیا ہم مذہب کے احترام اور اور خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے معیار پر پورے اترتے ہیں ؟ کیا ہم میں اتحاد، اخوت، ہمدردی اور مساوات کا وہی جذبہ پایا جاتا ہے جس کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ؟ کیا ہمارے اندر ایثار، استقلال، ہمت اور اندادیا ہی کا وہی مادہ موجود ہے جو ہمارے اسلاف میں پایا جاتا تھا ؟ جب تک یہ سب نہیں اس وقت تک ہماری عید "شکوہ ملک و دین" کیسے ہو سکتی ہے ؟

علامہ اقبال بظاہر ہلال عید سے لیکن دراصل ہم سے کہتے ہیں ۔

بر خود نظر کشا زتہی دامنی مرنج
در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ہم میں صحیح احساس اور سچا جذبہ پیدا ہو جائے اور اگر ہم ہمت اور استقلال کو کام میں لائیں تو ہماری عید عیش کی تمہید اور شکوہ ملک و دین بن جائے اور ہم اقبال کی زبان میں ہلال عید سے کہہ سکیں ۔

تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے
شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تمہید ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قائداعظم کے ارشادات کو بھی اس موقعہ پر نہ بھولیں ۔ آپ نے بنائے پاکستان کے قبل کے پیغامات عید میں فرمایا تھا ۔

"ماہ رمضان روزہ، نماز اور عبادت کا مہینہ ہے اس مبارک مہینہ میں مسلمانوں کو تنظیم اور تزکیہ روحانی کا سبق ملتا ہے ، یہ مہینہ آپ کو بتاتا ہے کہ آپ خود کو فرائض کی ادائیگی کی راہ میں سخت ترین امتحان اور صعوبتیں جھیلنے کے قابل بنائیں. آپ ایک ماہ تک تنظیم کی سختی اور اصولوں کی پابندی کے مراحل طے کر چکے ، تب عیدالفطر کا دن آیا ہے ۔ خوشی اور دائمی خوشی کا دن ، یہ وہ مسرت ہے جو آپ کو ادائیگی فرض کے بعد نصیب ہوئی ہے ۔ اس سے آپ کو سبق ملتا ہے کہ سچی خوشی وہی ہے جو ادائیگی فرض کے بعد حاصل ہوتی ہے ۔ عیدالفطر حقیقتاً اتحاد ، اخوت ، اور اقتصادی مساوات کی نشانی ہے ۔ آئیے ہم اس محترم اور مبارک موقعہ پر پختہ عزم کریں کہ اسلامی اصولوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیا کے موجودہ اور آئندہ نظام میں اپنے لئے اپنے شایان شان مقام پیدا کر سکیں "

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء کی عیدالفطر پر قائداعظم نے جو پیغام ہم کو دیا تھا وہ آج

بھی اپنی اہمیت کے اعتبار سے ہمارا نصب العین رہنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا "میں اس خوشی اور مسرت کے موقع پر تمام دنیا کے مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ سچی خوشی کے ساتھ اس روز سعید کو گذاریں۔ ہم پاکستانیوں کے لئے پچھلی عید جو قیام پاکستان کے فوراً بعد آگئی تھی اس کی تمام مسرتیں اس آگ اور خون کے طوفان کی نذر ہوگئیں، جس کا ہمیں تقسیم ملک کے فوراً بعد سامنا کرنا پڑا تھا۔ پچھلے بارہ ماہ کی تاریخ ایک مسلسل جدوجہد کی داستان ہے۔ ہم نے اپنے تمام وسائل کی بازی لگا دی تھی۔ ہمیں اندیشہ تھا کہ کہیں یہ وسائل ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دیں لیکن ہمارے عزم استقلال نے سخت طوفانوں کا منہ موڑ دیا۔ کنارا اگرچہ دور ہے لیکن سامنے نظر آرہا ہے"۔ اسی پیغام میں آگے چل کر آپ نے فرمایا "اگر ہم اندرونی اور ذاتی اختلافات میں پھنس کر اپنی توانائیوں کو ضائع نہ ہونے دیں تو ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارا مستقبل روشن اور شاندار ہے۔ ہمیں اتفاق و اتحاد اور ضبط و نظم کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہم صرف اتحاد، تنظیم اور یقین محکم ہی کے سہارے ایسا پاکستان تعمیر کر سکتے ہیں جو آج تک ہمارے تصورات میں کروٹیں لے رہا ہے۔ مسلمانوں پر روزہ اسی لئے فرض کیا گیا تھا کہ ان میں ضبط و نظم اور خوداعتمادی پیدا ہو۔ یہ صفات ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے اسی میں ہماری قوم کی بقاء اور نجات کا راز پوشیدہ ہے"

قطعہ

قمر نجمی بھوپالی

اس دہر میں جینے کا سہارا کر دو
روشن میری قسمت کا ستارا کر دو

بگڑی ہوئی تقدیر سنور جائے مری
سرکار بس اک بار اشارا کر دو

فرقہ واریت اور اس کا حل

سید مجاہد حسین

ملک کے اندر بڑھتی ہوئی فرقہ واریت اور دہشت گردی کی وجہ سے ہر محب وطن شہری کو نہایت تشویش لاحق ہے۔ فرقہ واریت کا بڑھتا ہوا رجحان اب دہشت گردی کی شکل اختیار کر چکا ہے جو کہ ملکی سالمیت اور بقا کے لئے سنگین خطرہ ہے۔ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ مسجد جو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور قرآن نے جسے دارالامن قرار دیا ہے اس میں بھی کسی کی جان محفوظ نہیں۔ آج دہشت گردی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور اس میں بیرونی طاقتوں کی سازش کے شبہات کو ظاہر کیا جارہا ہے۔ لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم سورج کو انگلی کے سامنے کیسے چھپائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیرونی طاقتیں ہمارے ملک میں دہشت گردی کو ہوا دینا چاہتی ہیں اور فرقہ واریت بھی اسلام دشمن طاقتوں کی پیدا کردہ ایک صورت ہے۔ ہمیں یہ سوچ لینا چاہئے کہ ہمارے معاشرے میں دہشت گردی کا یہ ماحول پہلے کیوں نہ تھا جو کہ کچھ عرصہ پیشتر وجود میں آنے والی مذہبی فرقہ وارانہ تنظیموں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ فقط بیانات سے فرقہ واریت کی مذمت اس مسئلہ کا حل نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے فرقہ واریت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز ہے
ورنہ ہمیں جو درد ہیں وہ لادوا نہیں

اہل علم حضرات میں تحقیق کا اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور یہ علم کے ہر شعبہ میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ علم دین ہو یا علم سائنس۔ جس طرح دیگر علوم میں تحقیقی اختلاف ہے اسی طرح علم دین میں بھی اپنی اپنی تحقیقی رسائی ہے۔ دینی علوم میں جو تحقیقی اختلاف ہے وہ فقط علمی اور فہمی نوعیت کا ہے۔ وہ فرقہ واریت ہے نہ کبھی اس کا سبب بنا ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد میں کسی مسلک میں فرق نہیں۔ جن ستونوں پر اسلام کی عمارت قائم ہے اس پر سب کو اتفاق ہے۔ کسی مسلک میں ایسی بات نہیں جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف ہوتا ہو کسی فرد واحد کی اپنی انتہا پسندی کی وجہ سے اگر کوئی عقیدہ کی خرابی سامنے آتی ہے تو وہ کسی فرقے کا دستور نہیں ہوتی۔ تمام مسالک قرآن وحدیث سے رہنمائی لیتے ہیں۔ سب کا مقصدومدعا اس حقیقی نور کو حاصل کرنا ہے جو قرآن وسنت سے ملتا ہے۔ خواہ وہ حنفی ہو، شافعی ہو، مالکی ہو، حنبلی ہو یا جعفری۔ آئمہ مجتہدین کے دور کو اگر دیکھا جائے تو ان میں تحقیقی علمی اختلاف کبھی موضوع نزاع نہیں بنا۔ کسی ایک مجتہد نے گر ایک روایت کو ترجیح دی

ہے تو دوسرے نے دوسری روایت کو زیادہ معتبر جانا ہے۔ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہیں جن کی روشنی میں انھوں نے اپنا اپنا فقہ مرتب کیا۔

فقہ قرآن و حدیث سے استنباط کا نام ہے۔ تاکہ عام لوگ ہر دور میں آسانی سے اپنے روزمرہ کے مسائل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل کرسکیں اور اسلامی قوانین کو سمجھنے میں اور ان پر عمل کرنے میں دقت پیش نہ آئے کیونکہ ہر کوئی قرآن وحدیث کا پورا علم نہیں رکھتا۔ تاریخ اسلام میں پانچ فقہ ہیں جو کہ اوپر درج کئے جاچکے ہیں۔ ان میں اگر کچھ عوامل پر تحقیقی اختلاف ہے تو بے شمار مسائل پر اتفاق بھی ہے۔ کتابوں میں ہر طرح کا مواد موجود ہوتا ہے اختلاف کے لئے بھی اور اتفاق کے لئے بھی۔ تمام مقلدین اور غیرمقلدین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام کی عمارت بنیادی جن پانچ ستونوں پر قائم ہے ان پر کسی کو اختلاف نہیں، تو پھر یہ بات واضح ہے کہ چند انتہا پسند عناصر کی وجہ سے کسی مسلک کو کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ چند انتہا پسندوں کی وجہ سے کسی پورے کے پورے گروہ یا فرقہ کو کافر کہنا غیر اسلامی اور غیر حقیقی بات ہے جو شخص جرم کرتا ہے اسی کو اس کی سزا دی جاتی ہے نہ کہ اس کے خاندان کو اور نہ اس کے گروہ کو، انتہا پسند لوگ کسی بھی ملک میں رہنے والے ہوں وہ کسی مسلک کے خیرخواہ نہیں ہوتے، انتہا پسند عناصر پر کسی مسلک کی بنیاد نہیں رکھی جاتی اور نہ ہی ایسے لوگوں کے مفروضوں پر کوئی مسلک قائم ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ہر مسلک اور فرقہ میں ہوتے ہیں۔ جو لوگ بھی توہین رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یا توہین اہل بیتؑ و اصحابؓ کے مرتکب ہوتے ہیں اس کی سزا صرف موت ہے۔ گستاخ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سزا اسلام میں موت ہے، ہرگز اس سے کم نہیں اور یہ بطور حد ہے۔ جو لوگ بھی اس طرح کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں وہ شیعہ ہوں یا سنی وہ سب اہل اسلام کے مجرم ہیں اور ایسے لوگوں کی ذمہ داری کوئی مسلک نہیں اٹھاتا اور نہ ہی تمام مسالک کے ذمہ دار لوگ انکو پسند کرتے ہیں، بلکہ یہ انتہا پسند لوگ نادانستہ طور پر اپنے ہی مسالک کو بدنام کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ ہر مسلک کے اہل علم و دانش نے ایسے افراد کی مذمت کی ہے۔ اہل تشیع اور اہلسنت دونوں مسالک کے مفکرین اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ انتہا پسند لوگوں کا ہمارے مسالک سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ کسی مقدس ہستی کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں تو یہ ان کی ذاتی حیثیت ہے۔ ان کا یہ عمل ہمارے مسلکی سوچ کا آئنہ دار نہیں اور نہ ہی اس عمل کے دوسرے لوگ ذمہ دار ہیں۔ چند ضعیف روایات یا انتہا پسند عناصر کے اقوال قطعاً کسی مسلک کی بنیاد نہیں ہوتے۔ جو لوگ اپنی شعلہ بیانی سے زہر آلود فرقہ واریت کا درس دیتے ہیں وہ ہرگز اسلام سے مخلص نہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مکتبہ فکر سے ہو سنی ہوں یا شیعہ، بریلوی ہوں یا دیوبندی یا اہلحدیث، مسلکی تعصبات پھیلانے والے واعظین اسلام کی کوئی خدمت نہیں

کر رہے بلکہ وہ اسلام دشمنی کے عمل پر ہیں یہ کوئی اسلام کی خدمت نہیں بلکہ ایسے فرقہ پرست عناصر جو بزعم خویش خود کو مبلغ اسلام تصور کرتے ہیں۔ ان کی سزا کسی ملک میں موت سے کم نہیں ہونی چاہئے کیونکہ وہ کئی افراد کے موت کے اسباب پیدا کرتے ہیں۔ اصل دہشت گردی کی جڑ یہ لوگ ہیں اور یہ فتنہ پرداز ہیں اور قرآن عظیم نے فتنے کو قتل سے بڑا جرم قرار دیا ہے۔ جو لوگ کے فتنہ پرور ہیں اور فرقہ واریت پھیلا رہے ہیں ان میں سے اگر چند ایک کو سزائے موت دی جائے تو آئندہ ہمیشہ کے لئے عوام سکون کا سانس لیں گے کیونکہ دہشت گردی کا بیج انہی افراد کا بویا ہوا ہے۔ جس کی بناء پر عبادت گاہوں میں بھی مسلمانوں کی بر[illegible] محفوظ نہیں۔ اسلام کا تقدس فقط ان نام نہاد فرقہ پرست مذہبی رہنماؤں نے پامال کیا ہے۔ جن کی تقاریر میں کسی ایک آیت کا یا حدیث کا ترجمہ میں بیان کیا جاتا اور سارے کا سارا زور دوسرے مسالک کے لوگوں کو کافر بنانے پہ لگایا جاتا ہے۔ اور اسی کو تبلیغ دین کہتے اور سمجھتے ہیں۔ علماء کرام اور بزرگان دین نے کبھی یہ روش اختیار نہیں کی، فرقہ پرست واعظین جتنا زور فرقہ واریت کو ابھارنے پہ صرف کرتے ہیں کاش اتنا زور اصلاح احوال اور تجدید احیاء دین پر لگائیں تو پوری امت کی بگڑی سنور جائے۔

مانا جناب حضرت واعظ ہیں خوب شخص

یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

آج امت مسلمہ پر بڑا نازک وقت ہے۔ پورا کفر ملت واحدہ بن چکا ہے اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ امت مسلمہ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے اور ان کا سارا زور اس پر ہے کہ اتحاد امت کو تار تار کر دیا جائے کہ مسلمان کہیں اپنے کردار کی طرف نہ لوٹ سکیں اور ان کے دین میں جو جسد واحد ہونے کا تصور ہے یعنی بھائی بھائی ہونے کا تصور ہے ختم کر دیا جائے تاکہ کسی سطح پر بھی یہ دوسری قوتوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس طرح فرقہ پرست واعظین نے دشمنان اسلام کے مقاصد پورے کرتے ہوئے اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ایسے حالات کو دیکھ کر دور حاضر کی نوجوان نسل کو اسلام سے متنفر کیا جا رہا ہے۔ مسجدیں جہاں سے دین اسلام کی تبلیغ ہوتی تھی اور دعوت اسلام کا درس دیا جاتا تھا وہاں سے اشاعت اسلام کی بجائے دوسرے مسلمانوں کو کافر کہنے کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ دینی علوم کی تدریس کے لئے جو ادارے یا مدارس قائم ہیں الا ماشاء اللہ ان میں بعض ایسے ہیں جہاں صرف طلباء کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ فلاں کو کافر سمجھنا ہے۔ اور اس طرح انتہا پسندی اس انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ فقط تعصب کی بناء پر دین اسلام کے ایک حصہ کو لے کر دوسرے حصہ کی توہین کی جاتی ہے۔ فرقہ پرست واعظین اس بات کو بھول چکے ہیں کہ ہمارے مسلک جس شجر اسلام کی شاخیں ہیں اگر وہ شجر ہی کاٹ دیا جائے تو ہمارے مسالک کیسے بچیں گے؟ حالانکہ دین اسلام میں کمال

گنجائش موجود ہے، اپنے اپنے مسالک پر کاربند رہتے ہوئے بھی دین کی سربلندی کے لئے مل جل کر کام کرنا ممکن ہے۔ سب اپنے اپنے مسلک پر قائم اور کاربند رہیں لیکن منافرت اور تعصبات کی دیواریں گرا کر غلبہ دین حق کی بحالی کے لئے اس جہاد میں عملی طور پر مصروف ہو جائیں جس کی آج اہم ضرورت ہے۔ فرقہ واریت کی وجہ سے عقائد کا توازن ختم ہو چکا ہے۔ جو عقائد تواتر در توارث کے ساتھ ہمیں ملے ہیں جن پر سلف صالحین کاربند تھے۔ اس ترتیب کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔ سلف صالحین کے طریقہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے فرقہ واریت پیدا ہوتی ہے۔ فرقہ واریت اس وقت شروع ہوتی ہے جب انتہاپسند عناصر کی زبان بے لگام ہوجاتی ہے اور انکی تقریر و تحریر میں حدیں عبور ہو جاتی ہیں۔ اور ان کی گستاخیوں کا سلسلہ انبیاء کرامؑ، اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین تک جا پہنچتا ہے۔ یہ فرقہ واریت کے ایسے اسباب ہیں جن کے خاتمہ کے لئے آج تک کوئی موثر حکمت عملی وضع نہیں کی گئی اور نہ ہی حکومتی سطح پر اس سنگین مسئلہ کے حل کے لئے کسی ایسی تجویز پر عمل کیا گیا۔ جبکہ ایسا لٹریچر جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے وہ عام ہے اور اس کی تشہیر بھی بڑے پیمانے پر کیجاتی ہے۔ اس کی اشاعت پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ ایسی کتب عام ہیں جن کی گستاخانہ عبارات کی نشاندہی اہل علم و دانش نے ہر دور میں کی ہے۔ ایسا زہر آلود لٹریچر عام پھیلایا جارہا ہو تو ایسے حالات میں کیسے ممکن ہے کہ فقط لاؤڈ سپیکر پر پابندی لگانے سے فرقہ واریت ختم ہو جائے۔

چمن کی آگ آپہنچی ہے اب شاخ نشیمن تک
ذرا باہر تو دیکھو کیوں پڑے ہو آستانوں میں

آج اسلام دشمن قوتیں وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مصروف عمل ہیں۔ ان طاغوتی طاقتوں کے ٹکڑوں پر پلنے والے چند عناصر ان کی خوشنودی کے لئے وحدت اسلامی کا شیرازہ بکھیرنے کے درپے ہیں۔ آج پورا کفر امت مسلمہ کے خلاف کھلا اعلان جنگ کرچکا ہے۔ ماضی قریب میں جنگ خلیج اور ایران، عراق، لیبیا اور پھر پاکستان کے متعلق ان کا رویہ اس بات کی روشن دلیل ہے۔ ہمیں یہ بات جان لینی چاہئے کہ کشمیر، فلسطین، بوسنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں کے دشمن یہ دیکھ کر گولی نہیں چلاتے کہ اس کا نشانہ کس مسلک کا پیروکار ہے، ان کا مقصد فقط ایک ہوتا ہے کہ یہ اسلام کا نام لیوا ہے۔ فرقہ واریت کا جامع حل موجود ہے جس کی کچھ نشاندہی راقم الحروف نے اس مضمون میں کی ہے۔ مگر کاش اس مرض کے علاج کے لئے کوئی مخلص ہو۔ ہمارے ملک کے ذرائع ابلاغ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے نمایاں کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ بالخصوص پریس، ریڈیو اور ٹیلیوژن لیکن بد قسمتی سے ہمارے ٹی وی کو تو ثقافت کے نام پر فحاشی پھیلانے سے فرصت نہیں۔

بھارتی اور مغربی ثقافت کی ترویج کے لئے سارا وقت اور اسلامی تعلیمات کے لئے صرف محرم آجائے یا ربیع الاول آجائے تو ٹی وی پر علماء دکھائی دیتے ہیں۔ ٹی وی کا مذکورہ کردار ہر دور حکومت میں ایسا ہی رہا ہے۔ آج تک ٹی وی پر کوئی ایک جامع سطح کا مذہبی پروگرام ترتیب نہیں دیا گیا جو کہ فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے عوام کی ذہنی تربیت کے لئے مفید ہو۔ پاکستان میں بہت سے غیر جانبدار سوچ رکھنے والے علماء، دانشور اور مفکرین موجود ہیں اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق والے تعمیری سوچ کے حامل افراد ہیں جو اس ناسور کو ختم کرنے کے لئے مخلص ہیں اور پوری علمی دیانت کے ساتھ اور نہایت اخلاص کے ساتھ کاوشیں کر رہے ہیں لیکن ان کے افکار سے ٹی وی والے خوش نہیں۔ ٹی وی فقط خوشامدی لوگوں کے لئے ہے۔ اگر ٹی وی پر ایسے افراد کو بلایا جائے جو مذہبی فرقہ بندی کو ختم کرنے میں خاطر خواہ کردار ادا کر سکتے ہیں، تو موجودہ مذہبی کشیدگی کی صورتحال یکسر ختم ہو سکتی ہے۔ روشن خیال علماء اور دانشور اتحاد امت کے درس کو عام کردیں تو بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ممکن ہے۔ سیاسی وابستگی اور پسند ناپسند کے خول سے نکل کر ایسے ذمہ دار افراد اور تمام مذہبی قائدین کے مشورے اور ان کی تجاویز کی روشنی میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ اس فرقہ واریت جو کہ اب دہشت گردی کی صورت اختیار کر چکی ہے کا علاج ممکن ہے۔

قطعہ

ساغر صدیقی

برس رہی ہیں چمن پر گھٹائیں وحشت کی
بھٹک رہا ہے بہاروں کا قافلہ، آو!
فراز عرش سے میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساغر
ملا یہ حکم کہ نعلین زیر پا آو

استفتاء

(شجرہ طریقت کا پڑھنا اور اسکا میت کے ساتھ قبر میں دفن کرنا)

مفتی خلیل الرحمان نقشبندی

سوال نمبر (۱)

اکثر پیران طریقت اپنے مریدین کو اپنے سلسلہ طریقت کا شجرہ شریف دیتے ہیں جس کو مرید بطور معمولات سلسلہ پڑھتے ہیں اور پڑھنے کے بعد شجرہ شریف میں مذکور اولیاء کرام کے واسطہ سے اللہ تعالی کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتے اور دعا مانگتے ہیں تو کیا ان اولیا کے وسیلہ سے بارگاہ الہی میں دعا کرنا جائز ہے؟ بعض لوگ اسے ناجائز اور شرک کہتے ہیں۔

سوال نمبر (۲)

مذکورہ شجرہ شریف کو بعد از وفات میت کے ورثاء اس کے ساتھ قبر میں رکھ دیتے ہیں اور بعض مریدین وصیت بھی کر دیتے ہیں کہ اس شجرہ کو میرے ساتھ قبر میں رکھنا بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ شجرہ شریف کو میت کے ساتھ قبر میں رکھنا گناہ اور بدعت ہے۔ مہربانی فرما کر دونوں مسئلوں کو دلائل کے ساتھ واضح فرما کر مشکور فرماویں۔ بینواتوجروا۔ والسلام

حاجی سبحان گل سکنہ حاجی آباد شکر پورہ روڈ شاہ عالم پل پشاور

الجواب

واضح ہو کہ مرشدین حضرات کا اپنے مریدین کو شجرہ طریقت دینا جائز ودرست ہے اس میں چند فوائد ہیں منجملہ ازاں ایک یہ ہے کہ شجرہ دینے والے مرشد کا حال معلوم اور واضح ہو جاتا ہے کہ بیعت کرنے کی اجازت اس کو کس سے ملی ہے اور یہ کس کا خلیفہ مجاز ہے دوسرا فایدہ یہ ہے کہ اس شجرہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوجاتی ہے کہ اس کا سلسلہ فخر موجودات امام الانبیاء رسول خدا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم تک دست بدست پہنچا ہوا ہے اور صحیح ہے۔ اور چونکہ اس بات میں بہت زیادہ جستجو کرنی چاہیئے کہ کہیں نا اہل اور خود ساختہ پیر کے پلے نہ پڑجائے۔ حضرت مولنا روم فرماتے ہیں

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

یعنی بہت شیطان انسان کی صورت میں موجود ہیں یا بہت سے شیطان سیرت انسان صالحین کا لبادہ اوڑھ

کہ ان کے مقامات پر برا جمان ہیں تو ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ مت دو بلکہ پہلے اس کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھ لینا ضروری ہے۔ ایک شاعر نے کیا خوب فرمایا

اختلاف روزگار از حد بالائی گذشت

در مقام شیر غران خوک صحرائی نشست

یعنی حالات زمانہ اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ شیر کے مقام پر جنگلی سور بیٹھا ہوا ہے۔ تتبع وتلاش کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ فی زمانہ ایسے بہت خود ساختہ پیر اور صوفیاء کے لباس میں ملبوس جہلاء موجود ہیں جن کا اکثر کردار شریعت غراء کے خلاف ہوتا ہے وہ خود اور ان کے مریدین اتباع شریعت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اگر ان کی کسی خامی کی طرف انگشت نمائی کی جائے تو برجستہ کہہ دیتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے یہ جہلاء اتنا بھی نہیں جانتے کہ جو طریقت خلاف شریعت ہو وہ طریقت ہے ہی نہیں بمصداق شعر

خلاف پیمبر کسے رے گزید

کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور

کار شیطان میکند نامش ولی

گر ولی اینست لعنت بر ایں ولی

تیسرا فائدہ شجرہ شریف میں یہ ہے کہ بعض مرید کند ذہن ہوتے ہیں جنکے لئے سلسلہ کے تمام مشائخ عظام کے نام یاد کرنے میں دقت ہوتی ہے لہذا ان کے لئے تحریر شدہ شجرہ شریف میں کافی سہولت ہوتی ہے۔ چوتھا فائدے یہ ہے کہ شجرہ شریف میں مرقوم مشائخ و اولیاء کرام کے اسماء گرامی کو پڑھ کر جن کے وسیلہ سے بارگاہ رب العزت میں اپنے حوائج پیش کئے جاتے ہیں۔ اور امید قوی ہے کہ رب ذوالجلال اپنے ان محبوبین کے صدقے سائل کی حاجت براری فرما دیں اور پانچواں فائدہ یہ ہے کہ مرید کے لئے شجرہ شریف اپنے پاس رکھنا اور اس میں درج شدہ اسماء گرامی کو پڑھنا اس بات کی علامت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے محبت ہے وہو المقصود

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "المرء مع من احب" آدمی قیامت میں اسی گروہ میں ہوگا جس سے اس کو محبت تھی مولانا روم فرماتے ہیں مثنوی میں

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا

گو نشیند در حضور اولیاء

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب چاہتا ہے اسے کہہ دو کہ اولیاء اللہ تعالیٰ کی صحبت میں بیٹھنا اختیار

کرے۔ غرض مرید کو شجرہ دینے میں نہ کوئی قباحت نہ شرعاً کوئی ممانعت ہے۔ اس بارے میں عارف باللہ عامل بالشریعت رہبر طریقت حضرت علامہ اخون درویزہ" "ارشاد الطالبین" میں فرماتے ہیں۔ فائدہ۔ خرقہ پوشانیدن۔ و شجرہ دادن مریدان را جائز است اما مرید شخصے باشد کہ ہرگز در خانہ او فسق و فجور صادر نشود و الا آں مرید بآفات دینی و دنیاوی وہلاکت اموال گرفتار شود (ارشاد الطالبین ص ۲۴۶

ترجمہ: "خرقہ پہنانا اور شجرہ دینا مریدوں کو جائز ہے لیکن مرید ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے گھر میں کسی طرح کا فسق و فجور نہ ہونے پائے وہ مرید دینی اور دنیاوی آفات اور ہلاکت اموال میں گرفتار ہو گا۔"

جہاں تک اولیاء کرام کے وسیلہ سے بارگاہ ذوالجلال میں دعا کرنے کا تعلق ہے تو یہ ایسا واضح مسئلہ ہے کہ اس سے انکار سوائے بے دین، بد مذہب اور معاند کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا کسی نبی یا ولی کا توسل پیش کرنا بارگاہ رب العزت میں شرعاً بالکل جائز ہے اور اس کا ثبوت قرآن کریم، احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہے انبیاء، اولیاء اور عباد صالحین کے ساتھ بارگاہ ذوالجلال میں توسل سے انکار در حقیقت قرآن کریم اور احادیث مبارک سے انکار ہے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (الآیہ پارہ ۱ بقرۃ القرآن)

اس آیت شریف کا معنی تفسیر جلالین نے یوں بیان کیا "موسیٰ علیہ السلام کی امت میں جو یہودی ایمان لائے تھے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب اپنے دشمنوں سے لڑائی کرتے تو حضور علیہ السلام کے توسل سے بارگاہ رب العزت میں اپنے دشمنوں پر فتح کے لئے دعا کرتے ہوئے یوں کہتے اللھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث آخر الزمان۔ تفسیر جلالین ص ۱۴۔

ترجمہ: "اے اللہ اس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل جو آخر زمانہ میں مبعوث ہو گا ہم کو فتح عطا فرما۔" اسی طرح تفسیر خازن میں بھی ہے اور فتح الرحمان ترجمۃ القرآن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے خیبر کے یہودی بنی غطفان کے ساتھ لڑتے تو اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ساتھ دعا طلب کرتے۔ اللھم افتح لنا وانصرنا علی اعدائنا الکافرین بحق محمد النبی الموعود فی آخر الزمان۔ ترجمہ: "اے اللہ تعالیٰ ہمارے کافر دشمنوں پر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو آخری زمانہ کے نبی موعود ہیں کی برکت سے ہمیں فتح عطا فرما اور ہماری مدد کر" پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے ان کو اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمادیا کرتا متعدد تفاسیر قرآن نے اس آیت شریف کی تفسیر اسی طرح بیان فرمائی ہے، میں کہتا ہوں کہ انبیاء کرام بالخصوص فخر موجودات، باعث ایجاد عالم، امام الانبیاء، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارگاہ خدائے لایزال میں توسل بہت اہم ہے اور جائز نہ ہونے کا شبہ تک اس میں نہیں کیونکہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ان محبوبین خدا کے تبرکات اور اشیاء مستعملہ سے بھی رب لایزال کی بارگاہ میں توسل کرنا

بالکل جائز ہے اور اسکا ثبوت بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے شقال لھم نبیھم ان آیتہ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک آل موسےٰ و آل ھارون۔ (الآیۃ پارہ ۲ سورہ بقرہ) ترجمہ: یعنی موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے نبی شموئیلؑ سے اپنے لئے بادشاہ کا مطالبہ کیا تاکہ یہ لوگ اس بادشاہ کے سایہ میں رہ کر اپنے دشمن سے جہاد کریں تو ان کے نبیؑ نے ان کو فرمایا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ بنا دیا تو بنی اسرائیل نے اعتراض کیا کہ طالوت ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے؟ وہ تو ایک غریب آدمی ہے اور خاندانی لحاظ سے ایک چرواہا یا دھوبی رنگساز ہے اس میں بادشاہ بننے کی تو کوئی خوبی ہے ہی نہیں مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کو طالوت کے بادشاہ ہونے میں تردد تھا اور یقین نہیں آرہا تھا تو انکے نبی شموئیلؑ نے ان سے فرمایا کہ انکے بادشاہ ہونے میں تردد نہ کرو، ان کا تقرر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی اور دلیل یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آئے گا جس میں تمہارے دلوں کے لئے سکون اور اطمینان ہے۔

تفسیر جلالین شریف میں ہے انزلہ اللہ تعالیٰ علی آدم واستمر الیھم فغلبتھم العمالقۃ علیہ واخذوہ وکانو یستفتحون بہ علی عدوہم ویقدمونہ فی القتال و یسکنوا الیہ (تفسیر جلالین ص ۳۷) ترجمہ: یہ صندوق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ پر نازل فرمایا تھا اور مسلسل انبیاء علیہم السلام میں منتقل ہوتا رہا حتی کہ موسیٰؑ کو ملا پھر عمالقہ نے بنی اسرائیل پر غلبہ پایا اور یہ صندوق ان کے ہاتھ لگ گیا اور اس صندوق کی یہ خصوصیت تھی بنی اسرائیل جب بھی کافروں سے لڑتے تو اس صندوق کو لشکر کے مقدم رکھتے اور اس صندوق کے وسیلہ سے کافروں پر فتح پانے کے لئے بارگاہ رب العزت میں دعا کیا کرتے۔ وبقیۃ مما ترک آل موسیٰ و آل ھارون کے تحت تفسیر جلالین میں ہے کہ "اس صندوق میں علاوہ دوسری اشیاء کے وہ تبرکات بھی ہیں جس سے موسیٰ اور ھارون علیہما السلام نے چھوڑا ہے اور وہ تبرکات یہ ہیں اے ترکاہ وھو نعلا موسیٰ و عصاہ و عمامۃ ھارون وقفیز من المن الذی کان ینزل علیھم و رضاض الالواح۔ من التوراۃ) یعنی موسیٰؑ کا عصا اور ان کے جوتے اور ھارونؑ کا عمامہ اور ایک پیمانہ جس میں من وسلویٰ نازل ہوتا تھا اور کچھ توراۃ کی تختیوں کے ٹکڑے تھے (ص ۲/۳۸ تفسیر جلالین شریف) قرآن کریم کی آیت مبارکہ اور تفسیر جلالین کی عبارت سے صاف صاف ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے برگذیدہ بندوں اور ان کے تبرکات سے بھی بارگاہ رب العزت میں توسل کرنا بالکل جائز ہے اور عین منشاء الٰہی کے مطابق ہے وھو المقصود فی الشریعۃ (اب اگر کنواں کا بینگ) یہ سب ۔ ل نہ سمجھ سکے اور اس کو نظر نہ آئیں تو پھر قصور کس کا ہے؟

علامہ ابن حجر مکی "الجوہر المنظم" میں فرماتے ہیں کہ توسل خواہ لفظ استغاثہ اور توجہ ۔ تھ

ہو، اور یا تو تشفع اور توسل کے الفاظ کے ساتھ ہر حال میں جائز ہے بطولہ۔ شواھد الحق ص ۲۷۔

امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہ فرماتے ہیں "اغثنی یارسول اللہ" کا حقیقی معنی الغرض جس ذات والاصفات سے سببیت وکسب کے لحاظ سے فریاد رسی حاصل ہو تو وہاں پر استغاثہ کا اطلاق لغت و شریعت دونوں میں درست ہے جب اغثنی یا اللہ کہا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف اغاثہ اور فریاد رسی کا اسناد مقصد کی خلق و ایجاد کے لحاظ سے ہے اور حقیقی ہے اور جب جب اغثنی یارسول اللہ کہا جائے تو یہ اسناد مجازی ہو گا اور وجہ مجاز آپ کا وسیلہ اور ذریعہ اغاثہ و فریاد رسی ہوتا ہے یعنی دعا و شفاعت کے اعتبار سے۔ اگر علماء و آئمہ کے کلام کا تتبع کیا جائے تو اس قسم کے مجازی اسناد کے تحت انبیاء و اولیاء مغیث و فریاد رس ہونا بکثرت نظر آئے گا مثلاً صحیح بخاری شریف میں مبحث حشر اور حساب و محاسبہ کے لئے لوگوں کا وقوف بیان کرتے ہوئے ذکر کیا "استغاثوا بآدم ثم بموسیٰ ثم بمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم" تو دیکھئے یہاں خود ہادی امم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام سے سفارش اور شفاعت کی التجا کو استغاثہ سے تعبیر فرمایا ہے لیکن حقیقی مغیث بہر حال اللہ تعالیٰ ہے حضرت آدم صفی اللہ کی طرف نسبت مجازی ہے اور علی ھذاالقیاس دیگر انبیا علیہم السلام کی طرف بھی (شواھد الحق ص ۲۷۱)

حضرت علامہ شیخ نابلسیؒ نے اپنی کتاب "جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعی فی الصوفیۃ الاخیار" میں ارشاد فرمایا کہ حضرت علامہ شہاب الدین رملی شافعی سے سوال کیا گیا "عوام جو شدائد و مصائب میں مبتلا ہو جانے پر یا شیخ فلاں وغیرہ کہتے ہیں تو آیا یہ جائز ہے؟" تو انہوں نے فرمایا کہ "انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیاء و صالحین کے ساتھ استغاثہ جائز ہے۔

علامہ عبدالحی شرنبلالی حنفیؒ کا فتویٰ متعلق بہ جواز توسل و استغاثہ:
انبیاء کریم اور اولیاء عظام سے توسل جائز و مشروع ہے (شواھد الحق ص ۲۶۲) نوٹ: جس کو خواہش ہو پوری تفصیل دیکھنے کی تو شواھد الحق کا مطالعہ کرے۔

مولانا محمد عبدالحی اپنے فتاویٰ میں (اذا تحیر تم فی الامور۔ الخ) کے تحت تحریر فرماتے ہیں "اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تم اپنے قصد برآری میں عاجز ہو جاؤ تو اصحاب قبور کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تاکہ ان کی برکت سے تمہاری دعا قبول ہو جائے نہ یہ کہ ان کو حلال مشکلات یا تدابیر عالم میں اللہ تعالیٰ کا شریک جانو" فتاویٰ عبدالحی ج ا ص ۱۳۸

حضرت قطب الشعرانیؒ نے اپنی کتاب "الانوار القدسیہ" میں فرمایا ہے کہ مجھے خبر دی حضرت علی الخواصؒ نے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی جو اولاد مصر میں مدفون ہے تو ان میں حضرت زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار مقدس بھی شامل ہے حضرت قطب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ "تھے

حضرت علی الخواص قدس سرہ کہ جب مزار مقدس زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا پر حاضری دیا کرتے تو اپنی نعلین باہر نکال لیا کرتے اور برہنہ پا چلتے مزار کی طرف منہ کرتے اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ذات اقدس سے بارگاہ الٰہی میں یوں توسل کرتے کہ یا اللہ تو اس ذات قدسیہ کے وسیلہ سے میری مغفرت فرما" مشارق الانوار جلد ا ص ۲۱۲۔

اسی کتاب میں ایک جگہ تحریر ہے "شیخ عارف باللہ شہاب الدین عجمی نے حضرت شیخ الاسلام شہاب الدین الرملی انصاری" سے دریافت فرمایا کہ اولیاء اللہ سے بعد وفات استغاثہ جائز ہے اور یہ جو شدائد و مصائب کے وقت لوگ "یا شیخ فلاں" اور مثل اس کے پکارتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ "فاجاب بان الاستغاثۃ با الاولیاء والانبیاء والصالحین والعلماء جائزۃ فان لھم اغاثۃ بعد موتھم کحیاتھم فان معجزات الانبیاء کرامۃ الاولیاء" مشارق الانوار ج ۱ ص ۱۴۴۔

ترجمہ: تو جواب دیا آپ نے کہ ہاں استغاثہ انبیاء، اولیاء صالحین اور علماء کے ساتھ حیات میں بھی اور بعد وفات بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکو یہ طاقت عطا کر دی ہے اور معجزات انبیاء علیہم السلام کے، کرامات اولیاء کرام کی ہیں" مشارق الانوار ج ۱ ص ۱۴۴

وضاحت: لیجئے آپ نے فیصلہ ہی کر دیا کہ محبوبین خدا کے ساتھ توسل ہر حال میں جائز ہے چاہے حال حیات میں ہو یا بعد وفات کے۔ اسی مشارق الانوار اور تفسیر روح البیان میں ہے "لما اقترف آدم علیہ السلام الخطیئۃ قال یا رب اسئالک بحق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما غفرت لی فقال وکیف عرفت محمدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) وکم اخلقہ الا" مشارق الانوار ج ۱ ص ۱۱۴۔

ترجمہ: جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا یا اللہ، حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میری خطا معاف فرما دے تو رب ذوالجلال نے فرمایا کہ اے آدمؑ تو نے کیونکر جانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو، حالانکہ میں نے ابھی اس کو پیدا بھی نہیں کیا الخ۔

تنبیہ: یہ جو شرک و بدعت ساز فیکٹریوں کے مالک ہر وقت یہ رٹ لگائے رہتے ہیں کہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء کے ساتھ توسل شرک ہے بدعت ہے تو ان کو اس حدیث پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تبرک و تعالیٰ نے کیوں نہ فرمایا حضرت آدمؑ کو کہ تم نے جرم کیا اور شرک یا بدعت کے (العیاذ باللہ) مرتکب ہوئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ اے آدم تو نے کیسے جانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جب کہ ابھی وہ پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں؟ آدمؑ نے عرض کی کہ بار الٰہ! میں نے عرش کے پایوں پر دیکھا کہ آپ نے اسم مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے تو میں نے جان لیا کہ تمام مخلوق میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کو بہت محبوب ہیں تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ اے آدم تو نے سچ کہا وہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سب مخلوق سے زیادہ محبوب ہے اور اب تم نے اس کا واسطہ وسیلہ سے سوال کیا تو میں نے تجھے بخش دیا۔ اور یہ بھی سن لو کہ اگر میں اپنے اس محبوب کو پیدا نہ کرتا تو تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ سبحان اللہ۔ غور کا مقام ہے کہ جس کام کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے دادا آدمؑ کی خطا معاف فرمائی جس کی وجہ سے دو سو سال تک وہ روتے رہے اسی کام، کو بعض نابجار پوتے شرک کہتے ہیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

اسی میں آگے لکھا ہے

"ان الولی بعدموتہ اشد کرامتہ منہ فی حال حیاتہ لانقطع تعلقہ بالمخلوق وتبحر در و حہ للخالق فیکر مہ اللہ تعالٰی بقضاء باجۃ المتوسلین بہ" مشارق الانوار ج ۱ ص ۱۴۷۔

بیشک ولی کی کرامت وفات کے بعد بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے بنسبت حال حیات کے کیوں کہ اس کا تعلق مخلوق سے منقطع ہو جاتا ہے اور اس کی روح کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے رہتا ہے پس اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو یہ اعزاز کہ اپنے متوسلین کی حاجات کو پورا کرے، عطا فرما دیتا ہے۔

ان تمام حوالوں سے صاف ظاہر ہوا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء عظام اور علماء و صلحاء کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں توسل کرنا بلاچون و چرا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین کے وسیلہ سے ضرور سائل پر رحم فرماتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں "اخرج ابن عساکر عن قتادۃَ قال لن تخلو الارض من اربعین بھم یغاث الناس وبھم ینصرون وبھم یرزقون" الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۵۰۔

ترجمہ: ابن عساکر قتادہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ زمین کبھی خالی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ چالیس اولیاء کرام سے ان ہی کی ذات سے لوگ فریاد رسی کرتے ہیں اور ان ہی کے وسیلہ سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے ان ہی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا ہے انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ شجرہ شریف میں اولیاء کرام کے اسماء گرامی جو مرقوم ہیں ان کو پڑھنے کے بعد ان حضرات کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجت پیش کرنا اور دعا کرنا بالکل جائز اور درست ہے اور ان حضرات کی صحبت میں بیٹھنا باعث خیر و برکت ہے اور قیامت میں ذریعہ نجات ہے۔ مولنا رومیؒ فرماتے ہیں

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضور اولیاء

الجواب (سوال نمبر ۲)

شجرہ شریف اولیاء کرام بعد از وفات میت کے ساتھ قبر میں رکھنا بزرگان دین کے فعل و قول سے ثابت ہے اس پر اعتراض کرنا فعل ائمہ و بزرگان دین پر اعتراض کرنا ہے جو کہ ایک ناپسندیدہ امر ہے۔ (خطا بر بزرگان گرفتن خطا است) حضرت علامہ مزین بہ علم ظاہری و باطنی اخون درویزہ ننگہاری فرماتے ہیں۔ "(دعا عہد نامہ) آوردہ اند ہر کہ دعا عہد نامہ در قبر با خود ہمراہ نہد منکر و نکیر چوں نوشتہ را بہ بیند بگردند و او را نپرسند کہ عہد نامہ رسالت پناہ باخود دارد" ارشاد الطالبین ص ۲۲۷۔

ترجمہ: منقول ہے کہ جو شخص دعا عہد نامہ قبر میں اپنے ساتھ رکھے گا منکر نکیر اس سے سوال نہ کریں گے"۔ بہارِ شریعت میں ہے " شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے منہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں" بلکہ در مختار میں کفن پر عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے اور فرمایا کہ اس سے مغفرت کی امید ہے اور میت کے سینے اور پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز ہے۔ ایک شخص نے اسکی وصیت کی تھی انتقال کے بعد سینہ پر اور پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دی پھر کسی نے خواب میں دیکھا، حال پوچھا، کہا جب میں قبر میں رکھا گیا عذاب کے فرشتے آئے، فرشتوں نے جب پیشانی پر بسم اللہ شریف دیکھی تو کہا کہ تو عذاب سے بچ گیا انتہی، (در مختار، غنیۃ عن العتار خانیہ، بہار شریعت ج ۴ ص ۱۴۲)

ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ شجرہ شریف یا عہد نامہ میت کے ساتھ قبر میں رکھنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ باعثِ خیر و برکت و ذریعہ مغفرت ہے۔ اور مولینا مفتی محمد خلیل خان برکاتی صاحب سنّی بہشتی زیور میں فرماتے ہیں " (مسئلہ) شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے منہ سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں در مختار میں ہے کفن پہ عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے" (سنّی بہشتی زیور ج ۳ ص ۲۸۴)

مولانا عبد الحی صاحب فرماتے ہیں "سوال:- میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا درست ہے یا کہ نہیں؟ جواب:- درست ہے جیسا کہ در مختار میں ہے اور بعض عرفاء نے بسم اللہ لکھ کر کفن میں رکھ دینے کی وصیت کی ہے جیسا کہ فتح العزیز میں ہے" (مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۷۵)

ان حوالوں سے بخوبی واضح ہوا کہ جو لوگ قبر میں شجرہ رکھنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ بالکل غلطی پر ہیں۔

"نزھۃ المجالس" میں ہے "قال علی ابن ابی طالب سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم یقول عمر بن الخطاب سراج اہل الجنۃ فبلغہ ذلک فقال انت سمعت ھذا من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم قال نعم قال اکتب لی خطک فکتب بعد البسملۃ ھذا ما ضمن علی ابن ابی طالب لعمر بن الخطاب بطول.

ترجمہ : فرمایا حضرت علیؓ نے کہ سنا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے تھے کہ عمر بن الخطابؓ چراغ ہے اہل جنت کا، پس یہ روایت حضرت عمرؓ تک پہنچی تو انہوں نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ نے یہ بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ مجھے لکھ دو اپنے ہاتھ سے۔ پس حضرت علیؓ نے بسم اللہ کے بعد لکھا یہ ہے وہ وثیقہ جس میں ضامن ہوا ہے علیؓ واسطے حضرت عمرؓ کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے (یعنی علیؓ یہ روایت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کرتا ہے اور حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیلؑ سے اور جبرائیلؑ نے رب العزت جل مجدہ سے کہ عمر بن الخطابؓ چراغ ہے اہل جنت کا، جب حضرت علیؓ نے یہ تحریر لکھ دی تو حضرت عمرؓ نے ان سے لے لی اور انہوں نے اپنی اولاد سے فرمایا "اجعلوها فی کفنی حتی القی بها ربی عزوجل ففعلوا"۔ یعنی اس تحریر کو میرے ساتھ کفن میں رکھ دینا تاکہ میں اس کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ سے ملوں" تو اب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو اس تحریر یعنی ضمانت نامے کو ان کے ساتھ قبر میں رکھا گیا (طبرانی۔ نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۱۶۷)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "اخبار الاخیار" میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادریؒ کے احوال میں فرماتے ہیں "چوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض ابیات و کلمات کہ مناسب معنی عفو و مغفرت باسند در کاغذے بنویسی و باکفن ہمراہ کنی" یعنی جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ بعضے وہ اشعار اور کلمات جو کہ عفو و بخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا (جاء الحق ج ۱ ص ۳۲۷)۔

حضرت محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں "شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں را دو طریق است۔ اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یابالائے کفن گذارند ایں طریق را فقہاء منع میکنند، و طریق دوم اینست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بگذارند و دراں کاغذ شجرہ رانہند"

ترجمہ:- قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ (جاء الحق ص ۳۲۷) امام ترمذی نے "نوادر الاصول" میں روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔ اور دعا یہ ہے لاالہ الا اللہ واللہ اکبر، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لاالہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد، لاالہ الا اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الحرف الحسن مصنفہ امام اہل سنت احمد رضا خان جاء الحق ص

۳۳۹ ج ۱۔

زیادہ تفصیل دیکھنے والے حضرات کو "جاء الحق" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

معترضین کی آنکھیں ان حوالوں اور عبارات سے کھلنی چاہئیں اور اپنی بدعت والی رٹ کو بھلا دینا چاہئے اور اگر ان حوالوں سے بھی نہ کھلیں تو پھر ذیل کی عبارت سے تو ضرور کھلنی چاہئیں۔

اخرج ابن منده عن عکرمة قال یعطی المؤمن مصحفاً یقرا فیه (مشارق الانوار ج ۱ ص ۶۹)

حضرت عکرمہ سے ابن مندہ نے روایت کی ہے فرمایا انہوں نے کہ مومن کو قبر میں مصحف (قرآن شریف) دیا جاتا ہے اور وہ اس میں تلاوت کرتا ہے۔ سبحان اللہ۔

اور پھر اس کے متصل ایک حفار (قبر کھودنے والے) کا واقعہ بیان کیا جس کا نام ابی النضر نیشاپوری تھا اور وہ بہت پرہیز گار تھا کہا اس نے کہ میں ایک قبر کھودتا تھا کہ اچانک اس میں سوراخ ہوا تو میں نے اس سوراخ میں دیکھا کہ ایک حسین و جمیل آدمی بہترین لباس میں حالت تربع میں بیٹھا ہوا ہے اور قرآن کریم اس کے آگے بنے اور وہ تلاوت کر رہا ہے تو اس نے مجھے کہا کہ کیا قیامت قائم ہو گئی؟ میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا کہ سوراخ بند کر دو۔ (۶۹ / ۷۰ ج ۱ مشارق الانوار)

اب معترضین جو قبر میں شجرہ رکھنے کی مخالفت کر رہے ہیں اس کے بارے کیا کہتے ہیں حاشا علیٰ عقولھم۔ خلاصہ کلام اینکہ اولیاء کرام کے اسماء گرامی سے مرتب شدہ شجرہ شریف پڑھنا بالکل جائز اور باعث خیر و برکت ہے۔ ان سے توسل بارگاہ رب العزت میں ضروری ہے شجرہ شریف میت کے ساتھ قبر میں رکھنا یہ کہ نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث نجات ہے۔

هذا ما عندی من الکتاب۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب

لمحہ فکریہ

فیض لودھیانوی مرحوم و مغفور

صرف آدم کی نیابت سے مکرنے کے سبب
آج تک ابلیس پر پڑتی ہے لعنت پے بہ پے
کر رہے ہیں جو خدا کی حاکمیت سے گریز
سوچ ایسے منکروں کا حشر کیا ہونے کو ہے

مقام مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فقیر عبید المصطفےٰ غلام مرتضیٰ

قرآن کریم کہ اللہ تعالیٰ کا کلام برحق ہے۔ کفار خواہ کسی نام سے موسوم ہوں، اس کے مقابلہ و معارضہ سے عاجز رہے ہیں اور ان کا عجز اس کی حقیقت کی دلیل، مدعیان اسلام خواہ کسی مشرب و عقیدہ سے تعلق رکھنے والے ہوں، اسے خدا تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتے ہیں، سوائے ایک شرذمہ قلیلہ اور وہ بھی موجود اور غیر موجود کی آڑ میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ورنہ سنن قرآن کریم کی حقانیت انہیں بھی تسلیم ہے اور یہ آڑ بھی صرف ان کی چند کتابوں کی محدود سطروں تک محصور، زبان سے اس کی حقانیت کے مقر، خواہ اعتقاداً ہوں یا تقیاً، خلاصۃ المرام یہ کہ جہاں تک زبانی اقرار و بیان کا تعلق ہے سب تسلیم کرتے ہیں بایں ہمہ مقام افسوس ہے کہ ان مدعیان اسلام و بمقرین قرآن پر کہ مقام مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منکر ہوئے بیٹھے ہیں۔

آیئے ذرا توجہ فرمایئے اور سنئے کہ "قرآن کریم نے مقام مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کس کروفر سے بیان کیا ہے جس سے منصف مزاج کے لئے بغیر تسلیم کے چارہ نہیں اور معاند کا تو کوئی علاج نہیں۔ عربی شاعر نے فرمایا۔

اذا کان الطباع طباع سو

فلا ادب یفید ولا ادیب

"جبکہ طبیعت ہی بری ہو تو نہ ادب فائدہ دے نہ ادیب" حتیٰ کہ عندلیب شیراز حضرت سعدی شیرازیؒ نے فرمایا۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شور بوم و خس

بارش جس کی طبعی لطافت و پاکیزگی میں کسی کو خلاف نہیں باغ میں گل لالہ اگائے اور شور میں گھاس وغیرہ، آمدم برسر مطلب، قرآن کریم میں یہ اصول نہایت واضح اور مبین ہے کہ ایک برائی کا بدلہ صرف ایک برائی یعنی اگر کوئی کسی کو ایک طمانچہ مارے تو اس کے بدلہ میں صرف ایک طمانچہ مارا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے مولیٰ سبحانہ تعالیٰ کا فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔ ترجمہ: جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو، اتنی ہی جتنی کہ اس نے کی، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے" اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ زیادتی کا بدلہ اتنی ہی زیادتی لیکن اتنے پر بات

ختم نہ فرمائی اگرچہ اس فرمان نے بھی مقید کر دیا تھا لیکن پھر ڈر کا حکم سنایا کہ کہیں اس مثل میں زیادتی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ رحمت کرے فقہائے کرام اور آئمہ مجتہدین پر جنہوں نے اس لطافت سے قصاص فیما دون النفس کے تمام جزئیات کا حل استنباط فرما کر قیامت تک آنے والی نسلوں پر احسان فرمایا فاحسن اللہ لھم عنا الجزاء الحسن اور ایسا ہی ارشاد فرمایا وان عقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ یعنی اور اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا، جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی تھی۔ یہ قانون صرف عباد کے آپس میں معاملات تک محدود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں سے یہی معاملہ فرماتا ہے۔ یہ تو برائی کا بدلہ تھا نیکی کے بدلہ میں رحمت الٰہیہ جوش میں ہے اور یہ اعلان ہو رہا ہے۔ من جآء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا یعنی جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں اور برائیت کے متعلق بھی ساتھ ہی اعلان فرمایا ومن جآء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا وھم لا یظلمون ترجمہ: اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ نہ ملے گا، مگر اس کے برابر اور اور پر ظلم نہ ہو گا، الحاصل ایک برائی کا بدلہ اور ایک نیکی کا بدلہ دس۔ قرآن کریم میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قانون یہ روش امت تک محدود ہے۔ آقائے امت والئی دو جہاں فداہ ابی و امی کی شان اس سے بدرجہائے لاتعد و لا تحصی بلند و بالا ہے۔

مقام غور ہے کہ ایک کافر ولید ابن مغیرہ خواہ اسود ابن یغوث خواہ اخنس بن شریق علی مانی الروایات عند المفسرین نے سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مجنوں (دیوانہ) کے مذموم کلمہ سے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اخلاق عالیہ کی عظمت سے اطلاع بخشی بقولہ تعالیٰ انک لعلی خلق عظیم "اور بے شک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خو بڑی شان کی ہے"۔ مفتی احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں۔

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا
تری خلق کو حق نے جمیل کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا
ترے خالق حسن و ادا کی قسم

جلال مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جمال میں رہا اور رحمت شاملہ ملحوظ خاطر۔ بقولہ تعالیٰ وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین اور ہم نہ تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لئے یہی رحمت ہے۔ کہ اپنے گستاخ عبداللہ ابن ابی منافق کے لئے مغفرت طلب فرماتے ہیں مگر جلال الٰہی کو گوارہ نہیں کہ میرے محبوب کا گستاخ عمر بھی گستاخی کرتا رہے پھر اس کے لئے بخشش بھی ہو جائے۔ مگر انداز کلام کیا نرالا ہے۔ سبحان اللہ ارشاد ہوتا ہے استغفر لھم اولا

تستغفر لھم "تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو" اس جملہ میں تخیر ہے تاکہ خاطر اقدس ملول نہ ہو اس کے بعد حتمی فیصلہ ارشاد ہے۔ ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم "اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو تو اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا۔ گستاخ حال فرقہ اتنے سے آگے بڑھتا نہیں اور اس سے ان اقدس میں تنقید کرتا ہے۔ کبھی وسیلہ اور شفاعت کے انکار میں یہ جملہ پیش کرتا ہے مگر اگلا جملہ وجہ بیان فرما رہا ہے، اس لئے نہیں کہ آپ کی معاذ اللہ وجاہت یا شان محبوبی میں کمی ہے۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ ذالک بانھم کفروا باللہ و رسولہ " یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور ان کے لئے قانون الٰہی یہ ہے۔ واللہ لا یھدی القوم الفسقین "اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا اور کبھی محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جلال میں آکر قراء ستر کی شہادت کے سانحہ پر مرتدین کے لئے قنوت نازلہ پڑھتے اور لعنت کرتے ہیں یا رباعتیہ مبارک شہید ہوتی ہیں۔ یا حضرت حمزہؓ پر جانکاہ ظلم کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلال سے جمال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کلام کا انداز اس جلال و غضب کو جمال و رحمت میں تبدیل کرنا بتاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا لیس لک من الامر شي اویتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون #"یہ بات (ان کفار کی ہلاکت کی بات) تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں"

سلب الکل من الخاص لا یستلزم سلب الکل من العلوم الامر لان نفي الاخص لا یستلزم نفي الاعم کنفي الانسان لا یستلزم نفي الحیوان فانھم او تنویع کے لئے ہے کہ بعض کو ایمان نصیب ہو گا اور بعض محروم تو وہ معذب ہوں گے، غرض جلال سے جمال اور جمال سے جلال کی طرف توجہ دلانا محبوب و محب کے ناز و انداز ہیں مگر شپرہ چشم کو سورج اندھیرا ہی نظر آئے گا۔

ذکر روئے فضل کائے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مروک کہ ہوں امت رسول اللہ کی
ظالم اس نے تجھ کو مہلت دی کہ ہے
کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی

المختصر یہ کہ سرکار اخلاق عظیمہ پر استقرار فرما ہیں ادہر اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون وجزاء السئیۃ سیئۃ بمثلھا یعنی برائی کا بدلہ برائی اسی کی مثل ہے شان محبوب کے لئے بدل ڈالا یا توں کہو کہ محبوب کے لئے قانون ہی اور رکھا وہ کیسے؟ اللہ تبارک تعالیٰ نے محبوب کی جانب سے خود جواب میں فرمایا اور اس کی ایک گستاخی جو محض جھوٹ تھا کے مقابل اس کافر کے دس عیوب جو واقعی اس میں تھے ایک ایک بیان کئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بتایا کہ خبردار جہان والو! ان کی قدر و منزلت میرے نزدیک محبوبیت مطلقہ ہے۔ وہ آیات مبارکہ یہ ہیں ولا تطع کل

حلاف مهین "اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑی قسمیں کھانے والا ذلیل ہمازٍ طعنے دینے والا۔ دان کا طریقہ بھی طعنے دینا ہے "۔ مشاء بنمیم خازن نے لکھا ای فتان یسعی بنمیمۃ یعنی فتنہ پرداز چغلی لگانے والا، مناع للخیر بھلائی سے بڑا روکنے والا، معتد حد سے بڑھنے والا اثیمٍ گنہگار عتل درشت خو بعد ذلک زنیم ان سب کے باوجود حرامزادہ۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حق میں دس باتیں فرمائی ہیں۔ نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات حرامزدگی کی مجھے معلوم نہیں یا تو مجھے سچ سچ بتا دے ورنہ تیری گردن مار دوں گا۔ اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے کو بلا لیا، تُو اس سے ہے۔

فائدہ

مفسرین نے فرمایا کہ نام کسی کا نہیں ذکر کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ ان دسوں صفات کا متحمل ہوتا ہے۔ یہ شان محبوبی یہاں قانون اور ہے۔ اور یہاں ایک برائی کا بدلہ دس برائیاں اور نیکی کا تو بیان ہی نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اجر حد احصاء سے اوپر ہے بمعنی لاتقف عند حد واللہ تعالیٰ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

قطعہ

مولانا ظفر علی خان

نماز اچھی ، روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ طیبہ کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

معرکہ حق و باطل (جہاد بدر)

مشتاق احمد صدیقی (سابق پرنسپل)

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؑ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

تاریخ انسانیت میں اپریل ۵۷۱ء کا وہ دن کتنا پیارا اور مبارک تھا جس دن انسانیت کا محسن اعظم لبادہ نوراتار پیکر انسانیت میں جلوہ گر ہوا۔ کتنی خوش نصیب تھی وہ سرزمین جس میں خالق کائنات کے محبوب صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اور اس کے عظمت و وقار کو لوح عرش سے بلند تر کردیا۔ کتنی مبارک تھی وہ ساعت جس میں کائنات عالم کے نجات دہندہ نے اپنی زندگی کا پہلاسانس لے کر ساکنان ارض کی ناامیدیوں کو امید و یقین سے بدل دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آنے والے کی آمد پر دشت و صحرا کا ہر ذرہ، سمندر کا ہر قطرہ، موہ جبل کا ہر دفینہ، بحروبر کا ہر خزینہ، فضائے آسمانی کا ہر پرندے اور عالم قدس کا ہر مکین وجد و نشاط کے عالم میں رقص کناں تھا اور یہ اہتمام کیف و طرب کیوں نہ ہوتا جبکہ اسی مسرت انگیز ساعت کے لئے سموات و ارض کی ہر جامد و ذی حیات ہستی کی نگاہیں عرصہ دراز سے ترس رہی تھیں۔ بالآخر۔

بصد انداز یکتائی بغایت شان زیبائی
امیں بنکر امانت آمنہ کی گود میں آئی

سننے والوں نے کیف و انبساط کے ان نغمات میں دبی ہوئی دردناک چیخیں بھی سنیں۔ متجس نگاہ اٹھی اور دیکھا کہ خدا کے گھر میں ۳۶۰ پتھر اپنی تباہی پر ماتم کناں تھے۔ نظر آگے بڑھی اور افریقہ کے خودساختہ خداؤں یعنی ارواح خبیثہ کو گریہ کناں پایا۔ نگاہ مزید کراہوں کی سمت روسی سمندر عبور کر کے یونان اور اٹلی کی رومان انگیز وادی میں پہنچی اور خوبصورت دیوی اور دیوتاؤں کی جامد مورتیوں کو اپنی بدقسمتی پر نالہ کناں پایا۔ نظر کا ذوق تجس یورپ کی سیر کرتے ہوئے تثلیث کے پجاریوں کو نالاں و گریاں دیکھ کر مشرق کی طرف مڑا۔ سرزمین ایران میں دیکھا کہ یزداں و اہرمن آگ کے شعلوں میں آخری ہچکیاں لے رہے ہیں۔ نگاہ کا ذوق سیاحت آگے بڑھا۔ چین کی وسیع سرزمین میں کنفیوشزم کے اسلاف پرستوں اور طاؤازم کے رسوم پرستوں کو گرم فغاں پایا۔ ساتھ ہی جاپان کے جزائر میں شینٹوازم کے آباپرست پہاڑوں کی غاروں میں الاماں والحفیظ پکار رہے تھے۔

نگاہ نیچے کی طرف بڑھی۔ برما اور سیلون میں بدھ مت اور جین مت کے پرستاروں کو لرزہ کناں پایا۔ نظر کا ذوق پرواز ہندوستان کی وسیع سرزمین پر بال کشا ہوا، وہاں اس نے اگنی، اندرا اور نہ جانے لاکھوں دیوی اور دیوتاؤں کو مصروف نالہ وفغاں پایا۔ دیکھنے والی نظر نے یہ سب کچھ دیکھا۔ آخر کار جب وہ بحر عرب کا مست وجولاں سینہ چیر کر عرب کی بے آب وگیاہ سرزمین میں داخل ہوئی تو مکہ معظمہ کی ایک غریب کٹیا میں بی بی آمنہ سلام اللہ تعالیٰ علیہ کی مقدس گود میں اک دُرِ یتیم کو مہر درخشاں کی طرح پوری صباحتوں اور ملاحتوں کے ساتھ ضیا باری کرتے ہوئے پایا۔ تاڑنے والی نظر تاڑ گئی کہ یہی وہ انوار کی شعاعیں ہیں جو اک طرف تو سعید روحوں کو حیات نو کا مژدہ سنا رہی ہیں اور دوسری طرف طاغوتی طاقتوں کو نار جہنم کی طرح جلا رہی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کفر کی بے پناہ قوت نے سنبھالا لیا اور رشد وہدایت کے اس ابھرتے آفتاب کو کفر کے گھناؤنے بادلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش کرنے کی ناکام کوششیں کیں۔ ان کی پہلی سعی جنگ بدر کی صورت میں نمودار ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روز افزوں ترقی دیکھ کر سرداران قریش کے دل جلتے تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے زور وشور سے تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جب کفار کے اس ناپاک ارادے کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی مجلس شوریٰ طلب کی جس میں اک طرف مہاجرین بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری طرف انصار۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جانثاروں سے مشورہ طلب فرمایا۔ مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے نہایت نیاز مندانہ انداز میں عرض کی "اے حبیب کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے جان ومال اور اولاد سب کچھ آپ پر قربان ہوں۔ ہم کفر کی ان دھمکیوں سے ڈرنے والے نہیں، ہم دین حق کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں" پھر حضرت مقدادؓ نے عرض کی "اے خدا کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! ہم حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح نہیں جنہوں نے کہہ دیا تھا کہ اے موسیٰ! تیرا خدا اور تو دشمنوں کے ساتھ جا کر لڑو۔ ہم تو یہاں کھڑے ہو کر تماشہ کریں گے، ہم غلامان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، دشمن کی بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں"

بزرگان مہاجرین کی تقریریں سن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور خوشی سے تمتما اٹھا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہیں انصار کی جانب اٹھیں، نگاہوں کا اٹھنا تھا کہ فوراً قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ

اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔ "اے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہماری انتہائی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے شہر میں تشریف لائے اور ہم کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔ ہم آپ کے اس احسان عظیم کو ہرگز ہرگز نہیں بھلا سکتے، ہم آپ کے ہر حکم پر بے چون وچرا عمل کرنے کو تیار ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں تو ہم سمندر میں بھی کود پڑنے کو تیار ہیں" دوسرے معززین انصار نے بھی پرجوش تقریریں کیں۔

مہاجرین وانصار کی مجاہدانہ تقاریر سن کر سالار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک ۲ ھجری (۶۲۳ء) میں تین سو تیرہ مجاہدین اسلام کا ایک لشکر مرتب کیا جن میں ساٹھ مہاجرین اور دو سو ترپن انصار تھے۔ اللہ والوں کا یہ مختصر لشکر مدینہ منورہ سے نکلا، یہ لشکر عام لشکروں کی طرح نہ تھا بلکہ۔

یہ لشکر ایک مٹی بھر جماعت حق پسندوں کی
بھری دنیا سے منہ موڑے ہوئے دیندار بندوں کی
کہ مل کر تین سو تیرہ جوان وپیر تھے سارے
نہ ان کے پاس خیمے تھے، نہ سامان رسد کوئی
نہ ان کی پشت پر تھا جز خدا بھر مدد کوئی
نہ زرہیں تھیں نہ ڈھالیں تھیں نہ خنجر تھے نہ شمشیریں
فقط خاموش تسکیں تھی فقط پرجوش تکبیریں
کوئی ساماں نہیں تھا ایک ہی سامان تھا ان کا
خدا واحد، نبی صادق ہے، یہ ایمان تھا ان کا
یہ پہلا جیش تھا دنیا میں افواج الٰہی کا
جسے اعلان کرنا تھا خدا کی بادشاہی کا
یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

اسی اثناء میں قریش کا لشکر جن میں ایک ہزار سپاہ اور سوار تھے۔ عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا اور مناسب جگہوں پر قبضہ کر کے صف آرائی کی۔ قریش کا یہ لشکر اگر ایک طرف نخوت، غرور، تکبر اور بغض وحسد کے آلات سے مسلح تھا تو دوسری طرف۔

ہزار افراد تھے اس لشکر اسلام دشمن میں
مسلح ، تند خو، ڈوبے ہوئے دریائے آہن میں
جھلم آہن کے خود آہن کے ، چار آئینے آہن کے
سر آہن کے ، دل آہن کے مکدر سینے آہن کے
منڈھے تھے حلقہ ہائے آہنی سے آہنی شانے
چڑھے تھے کہنیوں تک سر بہ سر آہن کے دستانے
تبر ہائے سیہ رو ، گرز ہائے گاؤ سر آہن
نیاموں کے شکم ، نیزوں کے پھل ، تیروں کے پر آہن
یہ ڈھالیں اور زرہیں اور خنجر اور تلواریں
کھڑی کردی تھیں گویا ریت پر لوہے کی دیواریں

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چاہ بدر کے قریب لشکر قریش کی اطلاع ملی ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ فرمایا لیکن قریب کوئی کنواں یا چشمہ وغیرہ نہ تھا ۔ اس لئے آگے پانی کی تلاش میں بڑھے اور ایک چشمہ کے قریب خیمہ زن ہوئے ۔ فوراً ہی رات نے دونوں لشکروں کو اپنے دامن عاطفت میں سونے کی تلقین کی ۔ دونوں طرف کے نبرد آزما میٹھی نیند سو گئے لیکن ہادی اسلام سردار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خداوند بزرگ و برتر کے حضور میں سجدہ ریز تھے ۔ چشم سطوت حشم سے اشکوں کی لڑیاں در آب دار کی طرح موتی بکھیر رہی تھیں ۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ ولہ وسلم انتہائی خلوص کے عالم میں لشکر اسلام کی فتحمندی کی دعا فرما رہے تھے ۔ صبح کے وقت جب شہ خاور نے رات کی تاریکی کا سینہ چاک کر کے دنیا کو اپنی سنہری اور روپہلی کرنوں سے منور کیا تو سالار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر قریش کے سامنے اپنے لشکر کو صف آرا کر کے دعا فرمائی " اے خدا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا، اسے پورا کر ۔ اگر آج یہ تیرے چند بندے مٹ گئے تو پھر تو قیامت تک نہ پوجا جائے گا" ۔ یہ بڑے صبر اور امتحان کا وقت تھا جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کی تلواروں کے سامنے خود ان کے عزیز بزرگ اور قلب وجگر کے ٹکڑے ہیں لیکن اسلام کی محبت نے سب رشتوں کو بھلا دیا ۔ چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابوبکرؓ کی شمشیر براں اپنے لخت جگر عبدالرحمن کے مقابلے میں بے نیام ہوئی حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی اور حضرت حذیفہؓ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلے میں صف آرا ہونا پڑا ۔

پہلے عرب کے دستور کے مطابق تین سرداران قریش عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور عبیدہ بن سعید مبارز طلبی کے لئے آئے، لشکر اسلام کو للکار کر مقابلے کے لئے تین سپاہی مانگے۔ حضرت حذیفہؓ نے اپنے باپ عتبہ کے ساتھ لڑنے کی اجازت چاہی لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں منع فرمادیا۔ پھر انصار میں سے تین صحابہ حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ عتبہ نے ان کے ساتھ نبرد آزمائی کرنے سے انکار کردیا اور مہاجرین کو اپنے مقابلے میں بلایا۔ چنانچہ مہاجرین کی طرف سے حضرت حمزہؓ عتبہ کے مقابلہ کے لیے، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ولید کے سامنے اور حضرت زبیرؓ عبیدہ بن سعید کے مقابلے کے لئے آئے۔ اسلام کے یہ تینوں بہادر بپھرے ہوئے شیر کی طرح اپنے مد مقابل پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے قریش کے تینوں سرداروں کو پیوند خاک کر دیا۔ اس کے بعد قریش کی فوج نے ہلہ بول دیا اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ گھمسان کا رن پڑا، شمع نبوت کے پروانوں اور عاشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دیوانوں نے جی کھول کر داد شجاعت دی۔ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کی شمشیر خارا شگاف نے وہ بے پناہ وار کئے کہ دشمن کے لشکر میں کہرام مچ گیا۔

بیشہ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دو کمسن شیر، شمع مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دو ادنیٰ پروانے معاذؓ اور معوذؓ بھی میدان کارزار میں شمشیر بکف ابوجہل کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑا رہے تھے۔ قریب ہی حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کھڑے تھے۔ دونوں نے دیوانہ وار بڑھ کر حضرت عبدالرحمنؓ سے ابوجہل کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے ہنستے ہوئے اسلام کے کم سن مجاہدوں کو ابوجہل کے لڑنے کا مقام اور حلیہ وغیرہ بتایا۔ ابوجہل کا پتہ معلوم کر کے وہ دونوں کمسن مگر جوان ہمت مجاہد بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ابوجہل کی طرف دوڑ پڑے۔ راستے میں لڑتے بھڑتے اس آدمی تک پہنچ کر دونوں طرف سے گھیر لیا۔ اللہ اللہ ان نوجوان بچوں کا عزم وحوصلہ، صبر و استقامت بہادری و شجاعت، سزاوار تحسین و آفریں ہے۔ ہنگامہ کارزار کی ہولناکیاں نظر کے سامنے ہیں۔ بڑے بڑے جنگ آزماؤں کے زہرے آب ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے پر غرور سر خاک و خون میں غلطاں ہیں لیکن وہ نشہ شہادت میں سرشار خالق کائنات کے پرستار اور مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گرفتار ان صبر آزما مصیبتوں اور حوصلہ شکن تباہ کاریوں سے بے نیاز استقامت اور شجاعت کے پہاڑ بن کر میدان وفا میں ڈٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے تہیہ کرلیا کہ حبیب کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس دشمن بد کردار کو فی النار کر کے چھوڑیں گے۔

ان کی معصوم تمنائیں بر آئیں ۔ دونوں نے بیک وقت خدا کا نام لے کر اس پر حملہ کیا ۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے یثرب کا پیاسا ریگزار اس کے خون سے تشنہ لبی بجھا رہا تھا ۔ سردار کو قتل ہوتے دیکھ کر دشمن کے سپاہی ان پر ٹوٹ پڑے ۔ ان بہادروں نے بھی اپنی تیغ کے جوہر دکھائے لیکن تا چوکے دشمن کا گھیرا سخت ہو گیا تھا ۔ آخر کار نوجوان غازی معاذؓ نے جام شہادت نوش کیا ۔ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ باپ کی ہلاکت کا نظارا کرکے بیتاب ہو گیا ۔ غیظ و غضب کے عالم میں آگے بڑھا اور پیچھے سے آکر نونہال مجاہد معوذؓ پر تلوار کا وار کیا ۔ وار کاری تھا بازو کٹ کر شانے کے ساتھ لٹک گیا ۔ صرف تسمہ لگا رہ گیا ۔ زخم خوردہ شیر مڑا اور انتہائی جرات و دلیری کے ساتھ عکرمہ کی طرف لپک پڑا ۔ عکرمہ نے جب اس بپھرے ہوئے شیر کے ہلاکت آفریں تیور دیکھے تو گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا ۔ نوجوان مجاہد اسی لٹکتے ہوئے بازو کے ساتھ شمشیر زنی کرنے لگا مگر وہ باز رہ رہ کر تلوار چلانے میں رکاوٹ ڈالتا تھا چنانچہ اس پیکر صبر و استقلال اور مجسمہ شجاعت و بسالت نے کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا ۔ بازو تن سے جدا ہو گیا ۔ اب ایک ہی بازو سے دین حق کا نوجوان پرستار میدان کارزار میں تیغ زنی کرنے لگا ۔ اللہ اللہ ! اس نوجوان مجاہد کا صبر و استقامت ، بہادری و دلیری کا بے انتہا جذبہ اور شہادت کا بے پناہ ذوق و شوق قیامت تک آنے والے نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہے ۔

ابو جہل کے قتل کے بعد لشکر کفار میں بددلی پھیل گئی لیکن ایک سردار امیہ بن خلف باقی تھا ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اس کے حلیف تھے ۔ وہ اسے مسلمانوں کی نظر بچا کر نکال دینا چاہتے تھے ۔ حضرت بلالؓ نے جو کافی عرصے اس کے ظلم و ستم کا نشانہ رہ چکے تھے دیکھ لیا ۔ انہوں نے انصار کو خبر کی ، وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انھیں بچانے کی کوشش کی لیکن حضرت بلالؓ کی فریاد کے مقابلہ میں صحابہ نے ان کی پرواہ نہ کی اور نیزے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا ۔ امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور اس طرح سب سے پہلے معرکہ حق و باطل میں فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے ۔

معراج تغزل

از حضرت انصار الہ آبادی سجادہ نشین درگاہ حضرت سید صاحب الہ آباد

معراج میں کیا کیا حد فاصل کا اثر ہے
تصویر اُدھر صاحب تصویر اِدھر ہے

یہ جوش عقیدت کہ ترکیب نظر ہے
آئینے سے روشن صفت آئینہ گر ہے

میں ہوں صف محشر ہے، گناہوں کا اثر ہے
رحمت کی گھٹاؤں میں مرا دیدہ تر ہے

تڑپاتا ہے رہ رہ کے مجھے یاد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں
ہم پایہ کونین مرا درد جگر ہے

شمشیر عمر بن گئی تصویر محبت
واللہ عجب شوکت انداز نظر ہے

رخ ہے سوئے کعبہ تو نظر سوئے مدینہ
یہ ذوق طلب ہے یہ مرا عزم سفر ہے

روشن ہیں فلک پہ مہ و خورشید ابھی تک
سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ قدموں کا اثر ہے

محشر میں رخ شافع محشر ہے مری سمت
انصار گناہوں پہ بھی دامن مرا تر ہے

حسن پرستی کی حقیقت

حکیم محمد حسن صاحب قادری چشتی قصوری

بعض مشائخ صوفیہ میں حسن پرستی یعنی عشق مجازی کا مذاق بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے اپنے انداز میں اپنے مذاق کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ شاہ نیاز احمد بریلوی فرماتے ہیں۔

حسن خوباں بہر حق بینی مثال عینک است
سید - ہد بینائی اندر دیدہ انظار من

دوسری جگہ فرمایا۔

ایں حسن مجاز مادر چشم حقیقت بیں
ہم عینک بنیائیست ہم قطرہ و زینہ

مولانا عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں۔

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ
پس بچشم عاشقاں خد را تماشا کردہ

زلیخا میں فرماتے ہیں۔

عتاب از عشق رو گرچہ مجازی است
کہ آں بہر حقیقت کارسازی است
کہ بے جام مے صورت کشیدن
نیازی جرعہ مغے چشیدن

حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

دلم جز مہر و مہ رویاں طریقے بر نمیگرد
زہر درمیدہم پندش ولیکن در نمیگرد

اوحدی صاحب فرماتے ہیں

کارمن ہر لحظہ عشق ماہ رویان است وبس
زانکہ اندر روئے ایشاں حسن رحماں یافتم

ثابت ہوا کہ اکثر صوفیائے کرام نے حسن پرستی اور عشق مجازی کا مسلک اختیار فرمایا ہے۔ لیکن آج کل زمانہ حال کے خود رو صوفی اور مدعیان کاذب اس مسلک سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے حسن پرستی کی بجائے شہوت پرستی کے دریا میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں۔ جو سراسر خلاف شریعت اور خلاف طریقت راہ گذاروں میں دوڑ پڑتے ہیں۔ جس کا نتیجہ خسر الدنیا والآخرہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ گویا پاکباز لوگوں کے مشرب کو خواہ مخواہ بدنام کرتے ہیں، اسی بناء پر غالب فرماتے ہیں

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

حاجی صاحب دوسرے مقام پر متنبہ فرماتے ہیں۔

ولہ باید کہ در صورت نمانی
وزیں پل رو و خود راب گذرانی
چو خواہی رخت در منزل نہادن
نہ باید برسر پل ایستادن

ایک نامعلوم صاحب فرماتے ہیں، اگرچہ مختصر الفاظ ہیں لیکن معانی کے لحاظ سے سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہے اور ایک بین حقیقت کو صرف ایک دو جملہ میں واضح فرما دیا ہے۔ اگر انسان غور کرے تو واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں فرماتے ہیں۔

"حسن پرستی عشق ہے اور حسین پرستی فسق ہے"

یعنی فرمایا کہ اگر کوئی شخص صرف حسن پرستی کرتا ہے یعنی محض حسن کی جھلک سے فائدہ اٹھاتا ہے تو وہ بے شک صحیح معنوں میں عاشق ہے اور اگر حسین پرستی یعنی حسن والے وجود سے مس کرتا ہے تو وہ یقیناً فاسق و فاجر ہے۔ پناہ بخدا، گویا صوفیائے کرام کے مشرب کو بہت برے انداز میں مجروح کرتا ہے، چنانچہ اسی جملہ کی تفصیل میں حضرت مولانا روم گویا ایک شعر فرماتے ہیں۔

عاشق صنع خدا بافر بود
عاشق مصنوع او کافر بود

گویا ایک نفیس فیصلہ فرما دیا کہ جو اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت کا عاشق ہے، وہ شان و شوکت والا اور بلند پایہ کا نورانی عاشق ہے اور جو مصنوع پر عاشق ہو گیا ہے بس وہ کافر ہے۔

مثال کے طور پر دیکھئے ایک سورج پرست صبح سویرے سورج نکلنے پہ سورج کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اسی مصنوع یعنی سورج کو اپنا معشوق و مطلوب اور معبود سمجھ کر پرستش کرنی شروع کر دیتا ہے۔ لیکن جو صنع خداوندی کا صحیح معنے میں سچا عاشق ہوتا ہے وہ اس سورج کے خالق کی پرستش میں مشغول ہو جاتا ہے گویا وہ یقین اور وثوق سے سمجھتا ہے کہ اس مصنوع کے پیدا کرنے والی جو ذات پاک ہے اس نے کیا عجیب صنعت گری فرمائی ہے کہ معمولی قرص مدور کو اس قدر روشن اور منور فرمایا ہے اور تابندہ درخشندہ فرمایا ہے کہ ایک قرص ہی تمام دنیا کو روشن کر رہا ہے اور ناقابل برداشت حرارت بھی پہنچا رہا ہے۔ تو ہر انسان کو چاہئے کہ ایسی ایسی عجیب و غریب صنعت گریاں دیکھے اور ان پر غور و فکر کرے۔ قربان جایئے حضرت مولانا صاحب ؒ نے مثنوی شریف میں اس موضوع کو اس قدر واضح طور پر مشروح فرمایا ہے کہ اگر ایک ایک شعر پر موتی اور جواہرات نثار کئے جائیں تو پھر بھی کم ہیں یہ شعر ارشاد فرماتے ہیں۔

بین رہا کن عشقہائے صورتے
عشق بر صورت زبر روئے ستے

یعنی فرمایا کہ خبردار صورتوں کا عشق چھوڑ دے، مذکر و مونث کی صورت پر عاشق نہ ہو کیونکہ۔

آنچہ معشوق است صورت نیست آں
خواہ عشق ایں جہاں خواہ آں جہاں

یعنی وہ کچھ کہ تیرا معشوق ہے، حقیقتاً صورت تیرا معشوق نہیں ہے، خواہ عشق مجازی ہو خواہ حقیقی بہرحال صورت تیرا معشوق ہرگز نہیں ہے دیکھ ذرا غور کر کہ

آنچہ بر صورت تو عاشق گشتہ
چوں بیروں شد جان چرائش ہشتہ

یعنی اگر تو صورت پر عاشق ہے تو جب اس صورت والے معشوق کی جان نکل جاتی ہے پھر تو کیوں پشت کر کے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اس معشوق سے ڈر کر نزدیک تک نہیں جاتا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خواہ کتنا ہی پیارا دلبر کیوں نہ ہو آدمی اس سے بعد وفات سخت گریز کرتا ہے حالانکہ

صورتش برجاست ایں سیری ز چیست
عاشقاں رابیں کہ معشوق تو کیست

یعنی مولانا فرماتے ہیں او بے وقوف! دیکھ تیرے معشوق کی صورت تو موجود ہے وہ کہیں نہیں چلی گئی۔ وہی آنکھیں، وہی رخسار، وہی دانت، وہی اشارے معلوم ہوتے ہیں۔ اب بھی کچھ اور

دیکھ، تو فرمایا اے عاشق ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ کہ تیرا معشوق کون ہے؟ اگر صورت ہے تو وہ تو موجود ہے۔ بعض اموات ایسی ہوتی ہیں کہ اچانک موت آئی اور شکل و شباہت میں ذرا فرق نہ آیا لیکن وہی عاشق بس اس قدر سیر ہو جاتا ہے کہ اب دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا، اس کی کیا وجہ ہے بس یہی کہ جو حقیقتاً معشوق تھا وہ اس صورت میں نہاں تھا اور اس کی چمک دمک سے وہ چہرہ گل گوں شمع کی مانند روشن ہو گا جب وہ معشوقی عکس نکل گیا تو بس عشق بھی وہیں پژمردہ ہو کر رہ گیا، کیونکہ

پرتو خورشید بر دیوار تافت
تابش عاریتے دیوار یافت

یعنی جب دیوار پر سورج کا پرتو (دھوپ) پڑتا ہے تو دیوار چمکتی ہے لیکن وہ چمک (دھوپ) کچھ عرصہ کے لئے عارضی ہوا کرتی ہے، اسی طرح خورشید حقیقی جل وعلی کے جلوہ کی تجلی جب خوبصورت چہرہ پر پڑتی ہے تو چہرہ معشوق کا چمک جاتا ہے جیسا کہ حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ۔

جلوہ کہ افگندی بر خاک گہ عالم
دارند ہمہ خوباں سرمایہ زیبائی

لیکن یہ چمک عاریتہً عارضی زندگی تک ہوتی ہے۔ جب موت آئی چمک جاتی رہی، پس اس لئے مولانا متنبہ فرماتے ہیں ۔

بر کلوخے دل چہ بندی اے سلیم
در طلب اصلے کہ تابد او مقیم

یعنی فرماتے ہیں کہ اے سلیم الطبع انسان کیوں ایک مٹی کے ڈھیلے پر دل لگائے بیٹھا ہے اور وقت ضائع کر رہا ہے۔ ذرا آنکھیں کھول اور اس اصل پرتو حقیقی کی طلب کر جو ہمیشہ ہمیشہ تابندہ اور درخشندہ چمکتا رہے گا۔ دوسرے مقام پر ضمناً مثال کے طور پر فرماتے ہیں ۔

گر بت زریں بیابد مومنے
کے ہلد اوراپئے سجدہ کنے

یعنی اگر تو مومن ہے تو مومن کی تو یہ شان ہے کہ جب اس کو سونے کا بت مل جائے تو وہ ہرگز اس کو سجدے کے لئے نہیں چھوڑتا بلکہ فوراً اس کی صورت بت کو بگاڑ دے گا، تو پھر وہی بت سونے کی ڈلی بن کر رہ جائے گا۔ اب اس سونے کی ڈلی کو جیب میں رکھو، مصلی پر رکھو، کوئی حرج نہیں۔ عین مقصود ہے تو اسی طرح اب بت یعنی ایک خوبصورت انسانی شکل کو دیکھے اور

اس پر عاشق و مائل ہو جائے تو اس کی صورت کو بگاڑ دے، اور جو اس کی اصل حقیقت ہے اس کو پیدا کرے، تو بس مقصود حاصل ہے۔ چنانچہ حاجی صاحب فرماتے ہیں،

بچشم تیز بینت ہر چہ نیکوست
چو نیکو بنگری عکس رخ اوست

یعنی تیری تیزبین آنکھ اب کسی خوبصورت کو دیکھے تو اس پاک پروردگار عالم کے رخ کا عکس سمجھے۔

چو دیدی عکس سوئے اصل بشتاب
کہ پیش اصل نبود عکس راتاب

یعنی جب تو عکس کو دیکھے تو اس کی اصل کی طرف دوڑ کہ اصل کے آگے عکس کی کوئی تاب نہیں۔

معاذ اللہ زاصل از دور مانی
چو عکس آخر شود بے نور مانی

یعنی پناہ بخدا اگر تو اصل سے دور رہا تو جب عکس ختم ہو جائے تو بے نور روشنی نہیں رہ جائے گا۔

بنا شد عکس راچنداں بقائے
ندارد رنگ گل چنداں وفائے
بقا خواہی بروے اصل بنگر
وفا جوئی بسوے اصل بنگر
جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جان جانی ہمراز کردی

مگر حالت یہ ہے کہ سمجھ کر بوجھ کر اے دل ہوا غافل تو کیا سمجھا۔ اللہ تعالیٰ چشم بصیرت عطا فرمائے آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

نظریہ خودی

پروفیسر زاہد حسن فریدی

انسان میں ایک طرف صفات رحمانی ہیں تو دوسری طرف اوصاف شیطانی بھی ہی انسان اخلاق حسنہ کا مخزن ہے تو افعال سیہ کا مصدر بھی ۔ کردار ملکوتی کا پیکر ہے تو اطوار ابلیسی کا مجسمہ بھی ۔ انہی متضاد اور متناقض خصوصیات کی وجہ سے اس کو جن و ملک پر شرف و بزرگی حاصل ہے اور ان کے امتزاج ہیں ۔ اعتدال پیدا کرنے سے ہی اس کی انسانیت برقرار رہ سکتی ہے ۔ لیکن جب یہی انسان لقد خلقنا الانسان في احسن تقویم کے شرف و معراج سے گر کر اسفل سافلین کی پستی وذلت میں گرفتار ہوجاتا ہے ، جب اپنے اصلی مقصد حیات کو فراموش کر دیتا ہے ۔ جب نور ہدایت سے قلب محروم ہو کر مردہ و بے جان ہو جاتا ہے ، جب سوز یقین اور جوش عمل سرد پڑجاتا ہے جب تعیش و تنعم ہی حاصل حیات اور مقصود زندگی بن جاتا ہے ، جب گمراہی و ضلال کی عمیق ترین پستیوں میں پہنچ جاتا ہے ۔ جب حیات انسانی قدسی و رحمانی نہیں بلکہ لاتی و مناتی بن جاتا ہے تو غیرت الٰہی جوش میں آتی ہے اور ہدایت انسانی پر آمادہ ہوتی ہے ، اس فرد کو عرف عام میں رسول یا پیغمبر کہتے ہیں ۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دین اسلام ، اسوہ حسنہ اور مکارم اخلاق کا وہ کامل و اکمل نمونہ پیش کیا جس میں کسی اصلاح و اضافے کی گنجائش باقی نہ رہی اور رسالت پر لانبي بعدي کی مہر ثبت ہو گئی ۔ تو انسان کی ہدایت کے لئے ہر قرن اور ہر عصر میں مجدد پیدا ہوتے رہے جو بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت دکھاتے ، احیائے دین اور اشاعت حق کرتے رہے ۔ مجدد ایک صدی میں ایک ہی ہوتا ہے ۔ لیکن مصلح اور ریفارمر ایک ہی زمانے میں کئی ہو سکتے ہیں جو مختلف مقامات پر ایک ہی مقصد کی نشر و تبلیغ کرتے ہیں ۔

ہندوستان میں سلطنت اسلامیہ کے زوال کا باعث شعائر قومی کا انحطاط اور حیات اسلامی کا فقدان ہوا اور اس کے بعد ایک عرصہ تک محکومی ، تعصب اور جہالت کا جو پردہ ان کی آنکھوں پر پڑا رہا اس نے ان کو اپنے مسخ شدہ خط وخال دیکھنے اور اپنی حالت کا جائزہ لینے کی مہلت ہی نہیں دی اور وہ بزعم خود اپنے آپ کو اخلاف رشید ہی سمجھتے رہے اور ایک عرصے تک غیر محدود اور ناقابل تلافی مصائب و آلام برداشت کرتے رہے ۔ اس غفلت و بے حسی کے پردہ کو مولانا حالی نے بڑی حد تک چاک کیا ۔ اکبر الہ آبادی نے مغرب کی طرف سے بڑھتے ہوئے سیلاب سے متنبہ کیا ۔ حالی صرف یہ کہتے رہے کہ تم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے ہو ؟ اکبر الہ آبادی نئی تعلیم اور نئی روشنی کی مخالفت طنز و

مزاح سے کرتے رہے ۔ ان کے لہجے میں ظرافت کی چاشنی اور استہزا کی تلخی تھی ۔ مسلمان نئی تہذیب سے صرف بدظن ہوئے اس کی اندرونی زہرناکی سے آگاہ نہ ہو سکے اور اس سے آگاہ کرنا اکبر الہ آبادی کے بس کی بات بھی نہیں تھی ۔ اس لئے ظرافت کے لہجے میں نصیحت کی سنجیدگی اور حکم کی قطعیت پیدا نہیں سکتی تھی قوم کو یہ کسی نے نہ بتایا کہ اب کیا کرے ؟ اس زوال کا علاج کیا ہے ؟ اقبال کی حساس طبیعت اور بیدار فطرت نے قوم کی پستی اور زبوں حالی کو دیکھا اور اس کی اس بحرانی کیفیت کا اندازہ لگایا ۔ خفتہ و مردہ قوم کو بیدار کرنے کے لئے اسی قدیم "نسخہ کیمیا" اور اسی پرانے نظام زندگی کو نئے اوزان و اقدار کے ساتھ ترتیب دے کر قوم کے سامنے پیش کیا ۔ ایک واضح راستہ اور مکمل لائحہ عمل کی طرف قوم کو متوجہ کیا اور بتایا کہ اس پستی اور نکبت سے نجات حاصل کرنے کا واحد طریقہ خود شناسی اور عرفان نفس ہے اور یہی درس اس کو تہذیب اخلاق ، دنیاوی عروج اور معرفت الٰہی تک پہنچاتا ہے ۔ انسان میں عرفان خودی سے توازن دماغ ، نقد صحیح اور عیار کامل پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس کے غور وفکر ، افعال و کردار ، گفتار و رفتار ، حکمت و دانش ، فہم و فراست میں ایسی موزونیت تناسب اور نقادیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے ہر خیال ، ہر ارادے ، ہر فعل ، ہر قول اور حکم کا مناسب ، بر محل اور صحیح ہونا خود اس کی طبیعت بغیر کسی غور و فکر کے بتا دیتی ہے ۔ چونکہ یہ صفت جو دنیاوی اور عملی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے سب سے اہم اور ضروری ہے بغیر عرفان خودی کے حاصل نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے اقبال نے مسئلہ خودی کی اشاعت اور تبلیغ کو اپنا مقصد قرار دیا۔

خودی اپنے عناصر اور اوصاف کے لحاظ سے دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ایک شیطانی ، دوسری رحمانی ۔ شیطانی خودی کے عناصر نخوت ، غرور ، تکبر ، سرکشی ، بغاوت ، نافرمانی ہیں ۔ اس خودی کا بہترین اور مکمل مظہر شیطان ہے ۔ اس نے اپنے خالق اور آمر کے حکم سے سرتابی کی ۔ اپنے عناصر ترکیبی کے لحاظ سے آدمؑ پر اپنی تفوق اور برتری ثابت کی ۔ اپنی رائے اور خیال کو صحیح اور درست سمجھا ۔ اپنے آپ کو کسی اصول اور قاعدے کا پابند نہ گردانا ۔ یہی خودی جب انسان میں جلوہ گر ہوتی ہے تو فرعون و شداد، ہامان و نمرود اور مسیلمہ کذاب کی ہئیت میں متشکل ہوتی ہے ۔ اس خودی کا مقصد اپنی ذات کو پہچاننا نہیں بلکہ نخوت ورعونت ، غرور و تکبر ، طغیانی و بغاوت، نافرمانی و حکم عدولی، جبر و تشدد کو فروغ دینا ہے ۔ مسلمہ اصول اور باضابطہ نظام کے خلاف سرکشی کرنا ہے ۔ اپنی برتری اور حکم دوسروں سے منوانا جائز و ناجائز، حسن و قبح ، مکروہ و مباح سے اسے بحث نہیں ہوتی ۔

دوسری قسم خودی کی وہ ہے جو من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے مصداق ہے ۔ اپنی حقیقت اور حیثیت کو پہچاننا ، اپنی تخلیق پر نظر رکھنا ، اپنے آپ کو بندہ سمجھنا ۔ اپنے معبود وخالق کو حاکم علی الاطلاع سمجھنا ۔ اس کے بعد حکم کو بجا لانا ۔ اپنے آپ کو عاجز اس کو زبردست ، اپنے آپ کو غلام

اس کو آقا، اپنے آپ کو محکوم اس کو حاکم جاننا، اس کا مقصد اصلی ہوتا ہے۔ اسی خودی کی پہچان اور عرفان انسان کو خصائص رذیلہ اور سیئات اعمال سے محفوظ رکھتی ہے۔ فرائض زندگی اور احکام الٰہی سے آگاہ کر کے اسے انسان اور مسلمان بناتی ہے۔ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ اس کے اندر پیدا کرتی ہے۔ خداوند تعالیٰ کا خوف اس کے رگ و ریشے میں سرائیت کر جاتا ہے۔ دوسرے انسانوں کو اپنے خالق و مالک کا بندہ سمجھ کر محبت کرنے لگتا ہے اور ان کی خدمت میں اپنی عزت، ان کی دلجوئی میں اپنی انسانیت، ان کی حاجت روائی میں اپنی شرافت خیال کرتا ہے۔ اور اس حدیث پاک تخلقوا باخلاق اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کرو، پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اقبال نے اپنے تمام کلام میں صرف اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی پیروی لازمی و ضروری ہے۔ بغیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور اتباع کے مسلمانوں کو دنیاوی عزت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ اقبال بار بار زور دیتے ہیں کہ تم میرو مرزا، شیخ و افغان تو بن گئے لیکن مسلمان بھی بنے یا نہیں۔

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

اقبال کہتے ہیں کہ دنیاوی زندگی کے ہر قسم کے مسائل، پیچیدگیاں، گتھیاں، الجھنیں اسی وقت حل ہو سکتی ہیں اور سلجھ سکتی ہی جب مسلمان واقعی مسلمان بن جائیں جب احکام اسلام پر ایمان لائیں اور عمل کر کے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔ اپنی خوابیدہ اور مضمحل قوتوں کو بیدار کر کے عملی ثبوت پیش کریں۔

اسلام نے مسلمان کے ذمے دو قسم کے فرض عائد کئے ہیں پہلا یہ مسلمان بحیثیت فرد کے اپنے نزدیک، اپنے دل میں اپنے آپ کو دوسرے تمام انسانوں سے ادنیٰ اور ان کا خادم سمجھے، اپنے نفع کو دوسرے کے فائدے پر ترجیح نہ دے۔ اپنی عزت و احترام کا دوسروں سے متوقع نہ رہے۔ دوسروں کے مقابلے میں اس کے اندر نخوت، تکبر، رعونت پیدا نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ مسلمان بحیثیت قوم کے اپنی شان و عظمت، قوت، دبدبہ، طاقت و صولت کا مظاہرہ کرے اور غیر اقوام کے مقابلے میں فولادی حصار اور آہنی دیوار کے مانند ہو۔ قرآن شریف میں ہے والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم یعنی اور جو لوگ ان کے (رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔ ان ہی دو فرائض یا دو خصوصیتوں کو اقبال بیان کرتے ہیں اور جگہ جگہ مختلف انداز و طریق سے ان پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

فتنہ ہا و حب مال و ترس مرگ
روح چوں رفت از صلوت از صیام
فرد ناہموار ملت بے نظام
سینہ ہا از گرمی قرآں تہی
از چنیں مرداں چہ امید بہی

دیکھا آپ نے شیطانی خودی کے عرفان، اس کی نگہداشت اور تربیت اور اس کی نشو و نما سے، کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں؟ اقبال کا یہ دعوی اور اس کا یہ پیغام یونانی فلسفہ کے کسی لاینحل مسئلہ یا مریخ میں جہان نو آباد کرنے کے متعلق نہیں بلکہ ہماری آپ کی اس سادہ اور روز مرہ کی زندگی کی ٹھوس حقیقت کے متعلق ہے اور دن رات کا مشاہدہ۔ آزادی ملنے کے بعد پاکستان میں ہر شخص اس شیطانی خودی کا علمبردار نظر آتا ہے اور لطف یہ کہ تعلیم یافتہ جتنے معزز اور جتنے بڑے عہدے پر فائز ہے اتنا ہی اس کا علمبردار اور مبلغ ہے اور وہی سب سے زیادہ اقبال کے اشعار اور اس کے پیغام پر سر دھنتا ہے۔

اقبال نے اپنا پیغام خودی سر دھننے، جلسے کرنے، یوم اقبال منانے کے لئے نہیں دیا بلکہ صرف عمل کرنے کے لئے دیا ہے۔ اقبال تو کہتے ہیں کے عرفان نفس یا رحمانی خودی کے حصول کے بعد تمہارے اندر اعلی اوصاف پیدا ہوں گے اور وہ اوصاف اپنی لطافت میں اوصاف خداوندی کی مثل ہوں گے اور تمہاری ذات سب سے منفرد، سب سے الگ، سب سے یکتا، سب سے اعلی ہوتی جائے گی اور جب یہی خودی یا یکتائی قوم میں مدغم ہو جائے گی تو پھر تمہاری قوم خیر الامت کی مصداق بن جائے گی۔ اگر سنجیدگی سے اقبال کے پیغام کو عملی طور پر سمجھا جائے تو آج پاکستان کا سارا اندرونی خلفشار ختم ہو جائے اور آج جو ہر شخص عزازیل کا ثانی بنا ہوا ہے، پاکستان کا خادم بن جائے

(جاری ہے)

قطعہ

علامہ محمد اقبال

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟

تلك عشرة كاملة

مولانا فضل الرحمان خطیب مسجد قوت الاسلام

دنیا میں چار حضرات صاحب کتاب ہیں ۔ (۱) حضرت موسیٰؑ توریت قانون لائے ۔ (۲) حضرت داودؑ زبور مناجات لائے ۔ (۳) حضرت عیسیٰؑ انجیل اخلاق لائے ۔ ۴) سرور عالم شاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں ۔ اس لئے آپ نے قانون بھی دیا، مناجات بھی دی، ضابطہ اخلاق بھی دیا اور ان سب سے بڑھ کر مذہب اور سیاست کے بہترین اور پائندہ ترین اصول بھی دیئے یعنی وہ چیزیں بھی دیں جو دوسروں نے دی تھیں اور وہ چیزیں بھی دیں جو کسی کے پاس نہ تھیں یعنی کوئی نبی یا رسول آپ سے پہلے یہ دعویٰ نہ کر سکا ۔ چونکہ ایک ہی تعلیم یا ایک ہی پیشہ یا ایک ہی فن کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی ، بلکہ وہ مختلف علوم فنون کے مجموعے سے مرتبہ کمال کو پہنچ سکتی ہے ۔ زہد و اتقا کس درجہ اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے لیکن اگر ساری دنیا زاہدوں اور عابدوں ہی سے معمور ہو جائے تو سوسائٹی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا ۔ اس نکتہ کو مدنظر رکھ کر اب آپ حضور اقدس روحی لہ الفداء کے شاگردوں کی گوناگوں صلاحیتوں پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ڈاکٹر بھی پیدا کئے اور مقنن بھی ، زاہد و عابد بھی ، اور سالار بھی ، تاجر اور صناع بھی ۔ کاتب اور حافظ بھی ، قاضی اور مفتی بھی ، خدام خلق بھی ، فقہاء اور مدرسین بھی ، صلحاء اور ذاکرین بھی ، سیاستدان بھی ، صف شکن اور درویش بھی اور حکمران بھی ۔ پھر دیکھئے ایک ہی ذات قدسی صفات کے فیضان صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم نبوت سے اگر ایک طرف حیدر کرارؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، خالدؓ بن ولید اور عبداللہ ابن زبیر جیسے صف شکن پیدا کئے ۔ جنھوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے اور مشرق سے مغرب تک اسلام کا بول بالا کر دیا ۔ تو دوسری طرف حضرات صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، اور علی المرتضیٰؓ جیسے حکمران پیدا کئے جن کی امانت دیانت ، صداقت اور عدالت دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے ۔ تو تیسری طرف ایسے فقہاء اور علماء پیدا فرمائے ، مثلاً فاروق اعظمؓ، علی المرتضیٰؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، معاذ ابن جبل جنھوں اسلام کے فقہ اور قانون کی بنیاد ڈالی ، چوتھی طرف شمع توحید کے ایسے پروانے پیدا فرمائے ، مثلاً سمیہ والدہ عمار)، حضرت یاسر ، حضرت خبیب ، حضرت زید ، حضرت حرام ابن ملحان ، حضرت عاصم اور حضرت کعب بن عمر

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن میں سے ہر ایک نے ہنسی خوشی تلوار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، مگر اسلام سے منہ نہ موڑا، ان سب پر مستزادیہ کہ آپ نے مختلف حیثیات کے افراد کو سلک اخوت میں منسلک فرما کر انما المومنون اخوۃ کا نظارہ دنیا کو دکھا دیا اور ماہرین علم النفس جانتے ہیں کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کے شاگردوں کو دیکھیے جتنے بھی تھے سب ایک ہی جیسے تھے یعنی مفلس، مسکین، ماہی گیر، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت گاہ میں ہر طبقہ کے شاگرد نظر آتے ہیں۔ ذرا مجلس نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نگاہ ڈال کر دیکھیے، یہ کون ہے؟ حبش کا نجاشی بادشاہ اصحمہ، یہ کون ہے؟ معان کا جاگیردار فردہ، یہ کون ہے؟ حمیر کا رئیس ذوالکلاع، یہ کون ہے؟ حبش کا غلام بلال، یہ کون ہے قریش کا سردار عمر فاروقؓ، یہ کون ہے؟ ہمدان کا سردار عامر، یہ کون ہے؟ بیکس کنیزیں بینہ اور زیرہ، یہ کون ہے؟ مشہور صف شکن حضرت امیر حمزہؓ، یہ کون ہے؟ چشم وچراغ بنو ہاشم علی المرتضیٰؓ، یہ کون ہے؟ مکہ کا دولت مند عبدالرحمان بن عوفؓ، یہ کون ہے؟ سپہ سالار اعظم خالدؓ ابن ولید، یہ کون ہے؟ مسیح الاسلام (زاہد وعابد) ابو ذر غفاریؓ، یہ کون ہے؟ مدینہ کا تاجر سعید ابن زبیرؓ، کیا اعجاز ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قوت قدسی کا کہ اس قدر مختلف المزاج اور مختلف الخیال لوگوں کو ایک رنگ میں رنگ دیا۔ ان میں سے کوئی حبشی تھا، کوئی عربی، کوئی یمنی کوئی شامی اور کوئی رومی، کوئی ایرانی، مگر سب شمع رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے تھے۔ ان میں سے کوئی تاجر تھا، کوئی فقیر کوئی تونگر، کوئی فقیہہ، کوئی درویش، کوئی بادشاہ، مگر سب کے سب توحید کے دیوانے تھے، ان کی صورتیں مختلف تھیں مگر سیرتیں سب کی ایک سی تھیں یعنی ان کی زندگیوں کا مقصد واحد تھا، خدا تعالیٰ کے لئے جینا اور خدا کے لئے مرنا۔)

اللھم بارك علي محمدٍ و علي آل محمدٍ و بارك و سلم

تبصرہ کتب

عنوان : " حیات حافظ سید محمد زمان شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ "

تالیف : سید محمد انور شاہ قادری ، لائبریرین گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن گلبہار پشاور۔

صفحات : ۲۹۲ ۔ اشاعت : اگست ۱۹۹۷ء قیمت : ۲۲۵ روپے ۔

ناشر : شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت پشاور شہر۔

تبصرہ نگار : غلام دستگیر قادری

برصغیر پاک وہند میں سادات گیلانیہ کا ایک خانوادہ طریقت " قادریہ گیلانیہ حسنیہ " کے نام معروف ہے ، اس طریقہ عالیہ کو " سلسلۃ الذھب " کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کا ہر ایک صاحب سجادہ عصر حاضر سے لے کر حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی تک اپنے والد گرامی قدر کا مرید ، خلیفہ اور ماذون ہے ۔ یہ سلسلہ مبارکہ حضرت ابو البرکات سیدنا حسن قادری گیلانیؒ کی ذات بابرکات کے ساتھ منسوب ہے ۔ آپ کا مزار پر انوار پشاور میں مرجع خاص و عام ہے ۔ آپؒ کی اولاد امجاد پشاور ، ہزارہ ، جموں و کشمیر اور پنجاب، میں مقیم ہے ۔ آپ کی ساتویں پشت میں حضرت حافظ سید محمد زمان شاہ صاحب قادری گیلانیؒ ایک عظیم روحانی و سیاسی پیشوا ہیں جنہوں نے خانقاہ معلی سے نکل کر رسم شبیری پر عمل کیا اور تحریک پاکستان میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

زیر تبصرہ کتاب میں برادرم سید محمد انور شاہ صاحب قادری نے آنجنابؒ کی حیات و خدمات قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے ۔ یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے ۔ پہلے باب میں حضرت حافظ سید محمد زمان شاہ صاحب قادری گیلانیؒ کا خاندانی پس منظر اور آپ کے اسلاف کی دینی و روحانی اور علمی و ادبی مساعی جمیلہ پر بحث کی گئی ہے ۔ دوسرے باب میں آپ کی ولادت باسعادت ، تعلیم و تربیت ، اخلاق و کردار ، دینی و روحانی اور سیاسی و بلدیاتی خدمات کو موضوع سخن بنایا گیا ہے ۔ تیسرے باب میں قائد اعظم محمد علی جناح کے پہلے دورہ سرحد ، مسلم لیگ کے قیام ، اس کی تنظیم اور اسے پشاور کی ایک ہر دلعزیز جماعت بنانے میں آپ کی شبانہ و روز محنت کا ذکر کیا گیا ہے ۔ چوتھے باب میں قرارداد پاکستان سے لے کر قیام پاکستان تک قائد اعظم کے دوسرے دورہ سرحد اور سول نافرمانی کی تحریک کو شامل کیا گیا ہے اور اس موقع پر حافظ سید محمد زمان شاہ قادری گیلانیؒ کی رہائش گاہ " آستانہ عالیہ قادریہ آقا پیر جان صاحب یکہ توت شریف " کی گراں قدر خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ خصوصاً " صدائے پاکستان " کے نام سے یہاں پر قائم کئے گئے خفیہ ریڈیو

سٹیشن اور خفیہ اخبار کے متعلق پہلی بار مستند و مفصل معلومات قارئین کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔ نیز خواتین کا پہلا عظیم الشان تاریخی جلوس بھی یہاں سے ہی نکلا تھا۔ اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ گویا آستانہ عالیہ قادریہ آغا پیر جان صاحب جو پشاور میں عموماً ایک دینی و روحانی مرکز کے طور پر معروف ہے اور ہزارہا افراد روزانہ یہاں حاضر ہو کر اپنے اپنے ذوق اور طلب کے مطابق فیضیاب ہوتے ہیں۔ مایوس مریض شفا پاتے ہیں۔ طالبان علم حاضر ہو کر علم کی دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور متلاشیان حق معرفت الٰہی سے آگاہی پاتے ہیں علاوہ ازیں تحریک پاکستان میں اسے سیاسی ہیڈ کوارٹر کی حیثیت بھی حاصل رہی۔ پانچویں باب میں حافظ صاحبؒ کے بعض رفقاء کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ساتھ آپکے قریبی مراسم تھے اور آخری باب میں آپ کی اولاد امجاد کے حالات جمع کئے گئے ہیں۔

حال ہی میں سرحد کے حوالے سے تحریک پاکستان پر کچھ اور کتابیں بھی منظر عام پر آئی ہیں لیکن زیر نظر کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اگرچہ یہ ایک شخصیت کی سوانح عمری ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس دور کے تمام واقعات بھی باقاعدہ ایک ترتیب سے تحریر کر دیئے گئے ہیں اور اس طرح سرحد میں خصوصاً پشاور میں مسلم لیگ کی تاریخ بھی مرتب ہو گئی ہے اور تحریک پاکستان میں شامل ہونے والے ہراول دستے کی تاریخ بھی محفوظ ہو گئی ہے۔ علاوہ ازیں جو معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں ان کا باقاعدہ حوالہ دیا گیا ہے اور تحقیق کے جدید مروجہ اصولوں کے مطابق ہر باب کے آخر میں حواشی کے عنوان کے تحت تمام حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں نیز بنیادی ماخذ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلے میں خفیہ پولیس، بلدیہ پشاور اور مجلس میلادالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پشاور کا غیر مطبوعہ ریکارڈ خصوصی اہمیت کا حامل
محققین اس کی افادیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور نے کتاب کے ظاہری حسن کا بھی بھرپور اہتمام کیا ہے۔ بہترین کتابت سفید کاغذ اور خوبصورت طباعت نے کتاب کے حسن کو مزید نکھار دیا ہے خصوصاً جلد
عمدہ اور مضبوط بنائی گئی ہے جس کی زمین سرخ ہے اور حاشیے پر نیلے سبز اور سفید و سنہری رنگ کی بیل ہے۔ درمیان میں حضرت حافظ سید محمد زمان شاہ صاحب قادری گیلانیؒ کی تصویر ہے اور آپ کے سر اقدس پر سبز ہلالی پرچم لہرا رہا ہے۔ مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ نسبت کے پیش نظر کتاب ہذا کی تقریب رونمائی ۲۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو بوقت دس بجے دن "الشیراز ان" یونیورسٹی روڈ پشاور میں جمعیت سادات صوبہ سرحد کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔